# فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| تعارف | 5 |
| دلِ بینا پیدا کر | 6 |
| بینا دلِ کی راہ میں حائل بعض رکاوٹیں | 9 |
| دل کا اندھا پن نور ایمان سے دوری کا ذریعہ | 11 |
| مادیت پر مشتمل ماحول کے اثرات سے بچاؤ کی صورت | 13 |
| دل پر تالہ لگنے کا المیہ، اس کے نقصانات اور تالہ کھلنے کے فوائد و ثمرات | 16 |
| قساوت قلبی کے اثرات ونتائج | 20 |
| جدید طبقات کا اسلام پر اعتماد بحال کرنے کی کاوشوں کی ضرورت | 23 |
| نفس کی فنائیت (خواہشات سے دستبرداری) کے کام کی اہمیت (زوال پذیر قوموں کا اصل جرم نفس پرستی کا ہونا رہا ہے) | 25 |
| حب مال کے اثرات ونتائج | 29 |
| حقیقی اور جعلی تصوف اہم اور مختصر تجزیہ | 33 |
| نفس شناسی کی راہ زندگی کے رخ کو بدلنے کا اہم ذریعہ | 36 |
| کام کرنے والے فرد کی خصوصیات اور اس کی کچھ مشکلات | 39 |
| موجودہ دور میں داعی کی بعض خصوصیات | 41 |
| دوسروں کو عیبوں کا مرکز سمجھنے کی نفسیات اور اس کے نقصانات | 43 |
| گھروں میں بڑھتی ہوئی بے برکتی اور اس کے ازالہ کی صورت | 46 |
| اعلاء کلمۃ الحق کا کام اور اس کی اہمیت | 49 |
| بندہ مؤمن کے ساتھ اللہ کی مدد کے قانون کا لاگو ہونا | 53 |





| | |
|---|---|
| موجودہ دور میں اہل خانہ کے ساتھ معاملات میں حکمت کی ضرورت | 55 |
| رحمٰن کے بندے اور دولت و درہم کے بندے (دونوں کی جداگانہ خصوصیات کا حامل ہونا) | 58 |
| معاشرہ میں بڑھتی ہوئی غربت کی فضا | 63 |
| دو قسم کی محبتیں اور ان کے اثرات ونتائج | 65 |
| فرقہ واریت سے بچاؤ کی ضرورت اور اس کی صورت | 67 |
| افراد معاشرہ کے ایک اہم مرض کی نشاندہی | 69 |
| سچی روحانیت اور روحانی زندگی کی خصوصیات | 71 |
| وسوسوں کا نافع ہونا، نہ کہ نقصاندہ ہونا | 72 |
| سلف صالحین کی اسلامی فکر پر عدم اعتماد کے اثرات ونتائج | 73 |
| غریبوں کی مالی معاونت کا کام اور اسلام میں اس کی اہمیت | 75 |
| مادی طرز زندگی کے پیدا کردہ مسائل طاقتور روحانی تحریک کی ضرورت | 77 |
| انسان کی انسانیت کا نفس کی پاکیزگی سے وابستہ ہونا | 79 |
| اپنی ذات کو خوبیوں کا ذریعہ سمجھنے کے نقصانات | 81 |
| غصہ کے مضر اثرات اور بچاؤ کی تدابیر | 84 |
| ہمارے ریاستی اور قومی نظام کی بعض کمزوریاں | 87 |
| حسن وجمال کے پاکیزہ نصب العین کی اہمیت اور اس کے ثمرات | 90 |
| قلبی اور ذہنی سکون کیسے حاصل ہو؟ | 93 |
| اللہ کی محبت کے فوائد و ثمرات ایک نظر میں | 95 |

# تعارف

زیر نظر کتاب ہمارے نئے مضامین کے مجموعہ پر مشتمل ہے، کتاب کے موضوعات میں افراد کی اصلاح، معاشرہ کے مختلف طبقات کی اصلاح اور ریاست کی اصلاح شامل ہے، ریاست معاشرہ سے بنتی ہے اور معاشرہ افراد سے بنتا ہے، جب تک ریاست اور معاشرہ سے وابستہ افراد اپنی اصلاح کی فکر نہ کریں گے، ریاست اور معاشرہ کی اصلاح نہیں ہو سکے گی، مؤثر طبقات سے وابستہ افراد کی اصلاح اولین کام ہے، جو ہونا ضروری ہے۔

افراد کی اصلاح کیسے ہو؟ یہ سب سے اہم سوال ہے، بزرگوں کا کہنا ہے کہ اصلاح تو سلف صالحین کے طریقہ پر ہی ہو گی، نئے نئے طریقوں سے اصلاح نہیں ہو سکتی، اور سلف صالحین کی اصلاح کا طریقہ نظام تعلیم و تربیت کو پاکیزہ اور مستحکم بنیادوں پر تشکیل دینا تھا اور دل کی اصلاح کو اولین اہمیت دینا تھا، اگرچہ موجودہ دور میں دماغ کی اصلاح بھی فیصلہ کن اہمیت کی حامل ہو گئی ہے۔

دل بینا پیدا کئے بغیر ریاست، معاشرہ اور افراد کی اصلاح نہیں ہو سکتی، جب تک ریاست اور دینی جماعتیں افراد معاشرہ میں دل کی بینائی کے کام کو فیصلہ کن اہمیت نہیں دیں گی، اخلاقی اور روحانی طور پر معاشرہ زوال کا شکار ہوتا رہے گا، قانونی اصلاحات اور حکومت کے بہتر سے بہتر اقدامات بھی اس زوال میں کمی کا باعث نہیں بن سکیں گے۔

زیر نظر کتاب ''بینا دل پیدا کر'' میں اس طرح کے موضوعات پر گفتگو کر کے ان موضوعات کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کاوش کی گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے ہاں قبول کا شرف عطا فرمائے۔

۵ نومبر ۲۰۲۰ء

**محمد موسیٰ بھٹو**



# دلِ بینا پیدا کر

اللہ سے محبت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ دلِ بینا (بیدار دل) پیدا ہوتا ہے، دلِ بینا کے ساتھ اگر تھوڑی سی ذہانت بھی موجود ہو تو ایسا فرد معاشرہ میں بڑے کام سرانجام دیتا ہے۔

دلِ بینا اللہ کا بڑا انعام ہے، جس کو اللہ عطا فرمائے، اسے گویا بہت ساری نعمتیں عطا کر دی گئیں، دلِ بینا فہم و فراست، حکمت و بصیرت کا مرکز ہے۔

زندگی کے ہر موڑ اور ہر بحران سے عہدہ برآنے ہونے میں دلِ بینا کام آتا ہے، وہ اس طرح کہ دل بینا سے شعائیں نکل کر، دماغ میں منتقل ہوتی ہیں اور ان شعاؤں کے ذریعہ فرد کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہوتا ہے کہ اس بحران سے نکلنے کے سلسلہ میں اسے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہئے، نیز خیر و بھلائی کی راہ کیا ہے، دلِ بینا سے فرد میں گومگو اور تذبذب کی حالت باقی نہیں رہتی، نیز دل بینا سے ہمت و حوصلہ کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی ہے، یعنی صحیح راستہ کی نشاندہی ہونے کے ساتھ ساتھ اس راہ پر عمل کرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ دلِ بینا کیسے پیدا ہو؟ دل بینا اگرچہ اللہ کا بڑا انعام ہے، لیکن اللہ نے اپنے اس انعام کو دل کی نفسی قوتوں سے یرغمالی سے آزادی اور بچاؤ سے وابستہ کیا ہے، لیکن نفسی قوتیں ایسی خوفناک ہیں کہ وہ دل کی آزادی کی راہ میں شدید مزاحم ہیں، نفس سے کافی عرصہ تک معرکہ آرائی کئے بغیر دل کو ان قوتوں کی یرغمالی سے بچایا نہیں جا سکتا، موجودہ دور میں مادہ پرستی کے بڑھتے ہوئے ماحول نے نفسی قوتوں کی خوفناکی میں مزید اضافہ کیا ہے۔

دلِ بینا کے لئے دل اور ذہن کو اللہ کے لئے یکسو کرنا پڑتا ہے، اور اس کے لئے ذکر اور مخلصانہ عبادت کا سہارا لینا پڑتا ہے، اور ذکر و فکر کے دورانیہ کو کافی عرصہ تک مسلسل جاری رکھنا پڑتا ہے، ذکر و فکر کی راہ پر اخلاص واستقامت سے گامزن ہونے کے پہلے ہی مرحلہ پر دل کی صلاحیتیں کسی حد تک بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہیں، لیکن یہ صلاحیتیں پوری طرح بیدار ہو کر، شخصیت کا احاطہ کرلیں، اس کے لئے کافی عرصہ تک ذکر و فکر کے مجاہدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مادی سرگرمیوں نے افراد کی ساری صلاحیتوں اور توانائیوں کو نچوڑ لیا ہے، قناعت سادگی اور سادہ طرز زندگی تو ختم ہو چکی ہے، ان حالات میں دلِ بینا پیدا ہونے کے لئے وقت کہاں سے لایا جائے، اس موقعہ پر اللہ کا فضل خاص شامل ہو تو فرد کے لئے وقت نکالنا آسان ہوتا ہے، دوسری صورت میں یہ کام مشکل ترین کام ہے، بلکہ دنیا کا سب سے زیادہ دشوار کام ہے۔

دلِ بینا کے بغیر عقلیت اور ذہانت زندگی کے بحرانوں سے عہدہ برآ ہونے میں کام نہیں آتی، بلکہ ذہین افراد کے بحرانوں کی سنگینی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

دلِ بینا، متاعِ حیات ہے، دلِ بینا کے ذریعہ ہی اللہ تک رسائی کا سفر طے ہوتا ہے، دل بینا کی مستحکم حالت کو قرآن کی اصطلاح میں قلب سلیم بھی کہہ سکتے ہیں، قلب سلیم جیسی عظیم دولت آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتی، اس کے لئے روزانہ قابل ذکر وقت نکالے بغیر چارہ کار نہیں۔



علوم وفنوں اور مادی سرگرمیوں نے موجودہ انسان کو اتنا مصروف کر دیا ہے کہ اس کے لئے دنیا کے سارے کاموں کے لئے وقت موجود ہے، لیکن دلِ بینا جیسی عظیم نعمت کے حصول کے لئے وقت نہیں، یہ موجودہ دور کے انسان کا سب سے بڑا المیہ ہے، جس نے اس کے مسائل کو سنگین سے سنگین تر بنا دیا ہے۔

موجودہ انسان کو یہ دعوت دینا ہے کہ اے غافل انسان، تم جن معاشی سرگرمیوں اور علوم وفنوں کو حاصل زندگی سمجھتے ہو، جن کے لئے تم اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہے ہو، یہ حاصل زندگی نہیں ہے، دنیا کے لئے اتنا وقت دو، جس سے کم سے کم ضروریات پوری ہو سکیں، باقی وقت دلِ بینا (جسے اللہ سے آشنا دل بھی کہہ سکتے ہیں) کے لئے صرف کرو۔

# بینادلِ کی راہ میں حائل بعض رکاوٹیں

دل جب بیدار ہوتا ہے تو وہ اللہ کے انوار سے محظوظ ہوتا ہے، حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ میں کائنات کی کسی چیز میں سما نہیں سکتا، سوائے بندہ مؤمن کے دل میں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بینادل (بیدار دل) میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے انوار حسن سے فیضیاب ہوتا ہے، اس صورت میں دل سے تاریکی رخصت ہو کر، اس میں انوار الٰہی جگمگانے لگتے ہیں، ایسا دل خوشی سے لبریز رہتا ہے، اس کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، ایسا دل اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات پر راضی برضا رہتا ہے، لیکن قیمتی وقت کو ضایع کر کے دل کو سیاہ بنانے اور اسے اللہ کے انوار سے محروم کرنے کی جو سزا ملتی ہے، وہ یہ ہے کہ ساری انسانی شخصیت بے قراری کے انگاروں پر لیٹنے لگتی ہے، مادی خوشحالی کا سارا سامان ہونے کے باوجود فرد تفکرات میں گھرا رہتا ہے۔

یہ ساری صورتحال طویل عرصہ تک اللہ کے ذکر سے غفلت کا نتیجہ ہوتی ہے، ذکر سے دوری اور اس سے غفلت میں جوں جوں وقت اور فاصلہ بڑھ جاتا ہے، اسی قدر ذکر کے سلسلہ میں حجابات مستحکم ہو جاتے ہیں، یہ حجابات عدم ذکر کے ملکہ کو راسخ کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

بینادل کی راہ میں مادی سرگرمیوں میں غیر معمولی انہماک کے بعد دوسرا حجاب شعوری طور پر دل کو ذکر کی خوراک سے محروم رکھنے کی روش ہے، آخر فرد مادی سرگرمیوں میں مصروفیت کے باوجود کھانے کے لئے بھی تو وقت نکال ہی لیتا ہے، اسی طرح انہی سرگرمیوں میں رہتے ہوئے ذکر کے لئے تھوڑا بہت وقت نکال سکتا ہے، لیکن جب ذکر سے غفلت کا مزاج غالب ہوتا ہے تو اس طرف آنے کے لئے توجہ کسی طرح بھی مبذول نہیں ہوتی، ذکر سے طویل عرصہ تک غفلت اور سستی کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے، جو اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ عمر کے آخری حصہ میں وقت کے ہونے کے باوجود ذکر کے سلسلے میں حجابات طاری



ہو جاتے ہیں، دراصل ذکر سے محرومی کی عادت جب طاقتور ہو جاتی ہے تو دلِ بینا (بیدار دل) کے راستے بہت زیادہ دشوار ہو جاتے ہیں۔

بندہ مومن کے جس دل کی حالت یہ ہو کہ اس میں اللہ کے انوار سما سکتے ہوں، یہ کتنی محرومی کی بات ہے کہ اس دل کو ملعون دنیا سے اس قدر بھرا جائے کہ اس میں اللہ کے سمانے کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

دل کے اللہ کے انوار کے سمانے کی اس صلاحیت سے استفادہ نہ کرنے کی جو سزا ملتی ہے، وہ نہایت ہی سخت سزا ہے، " **ومن یعرض عن ذکر ربه یسلکه عذابا صعدا** "اور جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا(دوری اختیار کرے گا) اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

عذاب کی ایک صورت دنیا میں یہ ملتی ہے کہ اس کے معاملات بکھرتے جاتے ہیں، اس کی حسرتیں ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی، وہ حرص وہوس اور حسد وجلن کی آگ میں جلتا رہتا ہے، آخرت میں اس کی جو سزا ملے گی، وہ تو نہایت سخت سزا ہے۔

ذکر اور بینائی سے محروم دل کو بینائی عطا کرنے کی ایک ہی صورت رہ جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ حوصلہ اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاحبان دل اور دلِ بینا کی حامل شخصیتوں کی صحبت اختیار کی جائے، اس سے رفتہ رفتہ دل کی بینائی سے محرومی ختم ہو کر، دل بینا کی صلاحیت پیدا ہوتی جائے گے۔

# دل کا اندھا پن

## نور ایمان سے دوری کا ذریعہ

دل کے اندھے پن کی بیماری ایسی ہے، جس سے بہت ساری بیماریاں جنم لیتی ہیں، صحیح اور غلط کے درمیاں تمیز کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، دل کے فتویٰ کا عمل رک جاتا ہے، نفسی قوتیں دل پر فتحیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں، ایمان دل کی گہرائیوں میں داخل نہیں ہو پاتا، عقل کو دل کی طرف سے صحیح لائین نہیں ملتی، اعمال صالحہ کی توفیق چھن جاتی ہے، غرض کہ دل کا اندھا پن اپنے ساتھ طرح طرح کی اخلاقی وروحانی بیماریاں لاتا ہے، قرآن میں ہے ''من کان ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ'' (جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو کر اٹھے گا)۔

یہاں اندھے کا مطلب دل کا اندھا ہونا ہے، قرآن میں ایک اور جگہ ہے ''یہ بدوی (دیہاتی) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، تم ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم نے اسلام قبول کیا ہے اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔''

اس آیت میں اسلام کو قبول کرنا اور ایمان کا دل کی گہرائیوں میں داخل ہونا، ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ بیان فرمایا گیا ہے، جس کا واضح مطلب ہے کہ اللہ کو رسمی اسلام اور اسلام کی رسمی صورت کی بجائے دل کی گہرائیوں میں ایمان کا داخل ہونا قبول ہے۔

اس طرح کے ایمان سے ہی زندگی میں حقیقی تبدیلی پیدا ہوتی ہے، دل کے بدل جانے سے ہی زندگی میں انقلاب برپا ہوتا ہے، دل کے اندھے پن کو ختم کر کے، اسے ایمان کے نور سے سرشار کرنے سے ہی فوز وفلاح کی راہ کھل سکتی ہے اور اسلام کے ارتقائی مراحل طے



ہوتے ہیں، نیز اسلام کی ساری تعلیمات پر رضا خوشی سے عمل پیرا ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔

جب تک دل کے اندھے پن کی حالت ختم نہیں ہوتی، دل میں ایمان کا نور پوری طرح داخل نہیں ہو سکتا۔

اہل اللہ کا زور دل کو ایمان کے نور سے سرشار کرنے پر ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ بینا دل ایسی قوت ہے، جس سے نفسی اور مادی قوتوں پر پوری طرح فتحیابی حاصل کر کے، اللہ کے قرب کے مقامات طے ہوتے ہیں۔

جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو گا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہو کر اٹھے گا، قرآن کی یہ آیت بہت زیادہ لرزا دینے والی ہے کہ آخرت میں جب نور کی زیادہ ضرورت ہو گی، وہاں اندھا ہونا اور روشنی سے محروم ہونا، فرد کے لئے سب سے بڑا اذیتناک، ہو گا، ایسی اذیت ہو گی، جس سے بڑھکر کوئی اذیت نہیں ہو سکتی، اس آیت کا دھیان جماتے رہنے سے بھی فرد کی دل کی صلاحیتوں میں ابھار پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے لئے دلِ بینا کی راہ پر گامزن ہونے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

# مادیت پر مشتمل ماحول کے اثرات

## سے بچاؤ کی صورت

موجودہ دور میں معاشروں کی جو تشکیل ہوئی ہے، وہ مادیت اور مادیت پرستی کی بنیادوں پر ہوئی ہے، اس کا اثر اور نتیجہ ہے کہ صاحب ایمان فرد جب معاشرہ کا حصہ بنتا ہے، کاروبار کرتا ہے یا ملازمت تو وہ مادیت پرستی کے مسموم اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مقامی نوعیت کے معاشرہ کی حالت یہ ہے کہ وہ عالمی نوعیت کے معاشروں کے اثرات کی زد میں ہوتے ہیں۔

ایک فرد گھر سے بہتر ایمان کی حالت میں نکلتا ہے، لیکن آٹھ دس گھنٹے تک مادیت پرست معاشرہ میں رہنے کے بعد جب وہ گھر واپس لوٹتا ہے تو وہ ایمانی اعتبار سے متزلزل حالت میں ہوتا ہے اور ذہنی دباؤ کا شکار بھی، کاروبار اور ملازمت کے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے کہ اس کے بغیر روزی کی صورت پیدا نہیں ہوتی، سوال یہ ہے کہ ان حالات میں ایمان کے تحفظ وبقا کی صورت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اللہ سے والہانہ محبت کا تقاضا، جو انسانی فطرت کا طاقتور ترین تقاضا ہے۔

اس محبت کو بیدار کرنا اور اس کے ارتقائی مراحل طے کرنا، یہ کام ایسا ہے، جو صالح اور متقی افراد کی صحبت کا ماحول چاہتا ہے، اس صحبت کے ماحول سے وابستہ ہونے کے بعد دل میں اللہ کی سچی محبت کے اجزا داخل ہوں گے اور یہ اجزاء رفتہ رفتہ شخصیت کا احاطہ کرتے رہیں گے،



اللہ کی محبت کے یہ اجزاء ہی مادیت پرستی کی قوتوں اور ان کے اثرات کی مزاحمت کر کے، فرد کی پاکیزہ بنیادوں پر سیرت و کردار کی تعمیر کا کردار ادا کرتے رہیں گے۔

یقیناً یہ سوال اہم ہے کہ صالح اور متقی افراد کہاں تلاش کئے جائیں؟ حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ کی زبوں حالی کے باوجود اب بھی معاشرہ میں صالح اور متقی انسان موجود ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک نیک اور متقی انسانوں کی موجودگی کی خوشخبری سنائی ہے۔

اس طرح کے افراد کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ان کی شخصیت میں فقر، سادگی، سادہ طرز زندگی، اخلاص اپنائیت اور عاجزی کا عنصر غالب ہو گا، ان کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کی صحبت سے دل دنیا سے سرد ہونا شروع ہو جائے گا۔

چونکہ ہم متقی انسانوں کی صحبت کے، زندگی پر پڑنے والے غیر معمولی اثرات کی اہمیت کے قائل نہیں، اس لئے ہمیں معاشرہ میں اس طرح کے افراد نظر نہیں آتے۔

ہاں، یہ بات صحیح ہے کہ بزرگی کے نام پر دکان سجانے والے بہت سارے افراد ایسے ہیں، جن کا ہدف دولت و دنیا ہی ہے، وہ بعض اذکار کے معمولات کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، اس طرح کے لوگوں کی صحبت سے بچنا اور احتیاط کرنا ناگزیر ہے، دوسری صورت میں بزرگی کے نام پر فرد ایسے افراد کے جال میں پھنس جائے گا، جس سے نکلنا دشوار ہو گا۔

حقیقی اہل اللہ درویش صفت ہوتے ہیں اور وہ ہر طرح کے دعویٰ سے محفوظ ہوتے ہیں، وہ اپنے معتقدین کے دلوں میں کیفیات کے ذریعہ مدوجزر پیدا نہیں کرتے، بلکہ وہ انہیں حقیقی خوشی فراہم کرتے ہیں اور ان کی زندگی میں حقیقی تبدیلی برپا کرتے ہیں۔

دل کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں ایک بار محبت کی چنگاری بھڑکائی جائے گی تو وہ رفتہ رفتہ آتش عشق کی صورت اختیار کرے گی، یہ آتش پوری انسانی شخصیت کا احاطہ کرکے، شخصیت کی تعمیر میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گی، اس بات کو آسان الفاظ میں اس طرح بیان کیا جائے گا کہ اہل اللہ کی صحبت کے ذریعہ جب ایک بار اللہ کی محبت پیدا ہوگی تو یہ محبت از خود اپنا کام کرتی رہے گی اور اس کے پاکیزہ اثرات شب و روز فرد کی زندگی پر پڑتے رہیں گے اور وہ مادیت پر مشتمل معاشرے کے اثرات کے توڑ کے لئے از خود کردار ادا کرتے رہیں گے۔



# دل پر تالہ لگنے کا المیہ، اس کے نقصانات

## اور تالہ کھلنے کے فوائد و ثمرات

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ **"اللھم افتح اقفال قلوبنا بذکرک"** (یا اللہ میرے دل کے تالے کو اپنے ذکر کے لئے کھول دے) یہ بہت اہم دعا ہے، امت کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اور اس طرح کی دعائیں سکھا کر، اللہ سے لو لگانے اور اللہ سے تعلقات کو مستحکم کرنے کا راستہ دکھایا ہے، دل پر تالہ کا لگنا اور اس تالہ کا نہ کھلنا یا دل کا ذکر کی طرف مائل نہ ہونا اور قلبی ذکر کے لئے آمادہ نہ ہونا، یہ ایسی بات ہے جو قساوت قلبی کا باعث ہو سکتی ہے اور قساوت قلبی بہت ساری بیماریوں کا موجب بنتی ہے۔

زبان کا ذکر بھی بہت سے فوائد کا حامل ہے، لیکن قلبی ذکر جملہ امراض سے نجات و بچاؤ کا مؤثر ترین ذریعہ ہے، اس لئے ایک حدیث شریف میں قلبی ذکر کو جہری ذکر سے ستر گنا زیادہ افضل قرار دیا گیا ہے۔

مادہ پرست معاشرہ کی یہ "خصوصیت" ہوتی ہے کہ وہ فرد و افراد کو مادی سرگرمیوں میں مصروف رکھکر، ذکر کے حوالے سے اس کے دل کو تالہ لگا دیتا ہے اور فرد افراد کا دل قلبی ذکر کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا۔

ذکر کے حوالے سے دل پر تالہ لگنے کے جو اثرات فرد کی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں، ان کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے (۱) اللہ سے محبت کا تعلق پیدا نہیں ہو پاتا (۲) ذکر سے غفلت اور بیزاری کی حالت طاری رہتی ہے (۳) دنیا سے محبت کی فضا غالب رہتی ہے (۴) دین

ومذہب کی حیثیت رسمی نوعیت کی رہ جاتی ہے(۵) سیرت وکردار میں پاکیزگی پیدا نہیں ہوپاتی(۶) قلبی اضطراب اور بے چینی گھیرے رہتی ہے(۷) غصہ، اشتعال اور چڑچڑاپن کی نفسیات غالب رہتی ہے(۸) ذہنی دباؤ اور فکری انتشار سے بچاؤ کی صورت مسدود ہوجاتی ہے(۹) معاملات میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے اور لوگوں سے ان بنت میں اضافہ پر اضافہ ہوتا رہتا ہے(۱۰) دنیا کے حوالے سے فکرمندی میں اضافہ ہوجاتا ہے(۱۱) قوت ارادی متاثر رہتی ہے اور استعداد کار کم ہوجاتی ہے۔(۱۲) عبرت وموعظت حاصل کرنے کی صلاحیت کمزور ہوجاتی ہے۔(۱۳) آخرت کی زندگی سے غفلت طاری رہتی ہے، اس کی تیاری کی فکرمندی باقی نہیں رہتی۔(۱۴) دل کی بینائی(روشنی) بُری طرح متاثر رہتی ہے۔

یہ کتنے بڑے نقصانات ہیں، جو دل پر ذکر کے حوالے سے تالہ لگنے کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ دل پر لگنے والا تالہ جب کھلتا ہے تو اس کے بعد دل کی ذکر سے انسیت پیدا ہونے لگتی ہے اور اللہ سے محبت میں اضافہ ہونے لگتا ہے، دل کے تالے کھلنے کے بعد جہری ذکر بھی نافع اور مؤثر ہوتا ہے، اور اس سے بھی دل کے ساز بجنے لگتے ہیں، اگرچہ قلبی ذکر کی اہمیت مسلمہ ہے، قرآن میں ایک جگہ ہے، **ولاتطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا۔** (اور اس شخص کی بات نہ مان جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہے)۔

غافل دل اللہ سے بہت زیادہ دور ہوتا ہے، غافل دل کو نفس اور مادیت پرستی کی قوتیں جلد اغوی کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں، غافل دل پر نیکی کی باتیں اثرانداز نہیں ہوتی، غافل دل پر ایک ہی فکر طاری ہوتی ہے، کہ کسی طرح اس کی دنیاوی زندگی مادی اعتبار سے خوشحالی سے ہمکنار ہوجائے اور اسے دنیا کی ساری سہولتیں میسر ہوں۔ غافل دل نافع علم کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے۔



یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ دل کی بناوت اللہ کے نام پر ہوئی ہے، اس لئے دل کی غذا ہی اللہ کا ذکر ہے، جب دل کو ذکر کی غذا نہیں ملتی تو پوری انسانی شخصیت تلاطم کی نذر ہوجاتی ہے۔

دل کی نوعیت کو عقل کے ذریعہ سمجھنا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ عقل مادہ کی پیداوار ہے، جب کہ دل جوہری چیز ہے، اس کا مادہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، جن شخصیتوں نے عقل کے ذریعہ دل کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کی، وہ اس میں ناکام ہوئے اور انہوں نے فہم، فراست حکمت، بصیرت، معرفت، تقویٰ اور خشیت وغیرہ جیسی ساری بنیادی چیزوں کو عقل ہی کی طرف منسوب کیا، اس طرح کے دانشوروں اور مفکروں کی اسلامی تشریح میں دل کی بیداری، بینادل، روشن دل اور دل کے تالے کے کھلنے کے کام کو کوئی اہمیت حاصل نہیں، نتیجتہ دل کا خلا زندگی بھر قائم رہتا ہے، اور بینادل کے ذریعہ عقل تک نور کی ترسیل کا کام بھی متاثر رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقلیت پسندی اس دور کے فتنوں میں سے ہے، جب عقلیت پسندی کا غلبہ ہوجاتا ہے تو دل کے حوالے سے قرآن کی بہت سی آیتیں اور بہت ساری احادیث نظروں سے محو ہوجاتی ہیں۔

دل کی صلاحیتوں کی بیداری اور دل کے تالے کے کھلے بغیر فرد محض عقل کے ذریعہ سے اسلام کے دروازہ پر تو داخل ہو سکتا ہے، لیکن اس کی شخصیت پر صبغتہ اللہ (اللہ کا رنگ) غالب ہوسکے، مشکل ہے، دل، کردار کی تشکیل کرتا ہے، جب کہ عقل قیل وقال میں الجھا رہتا ہے، اس لئے دل کے تالے کو کھولنے کے کام کو اہمیت دینا ناگزیر ہے، اس کے بغیر اسلامی خدمت کے حوالے سے دل کی صلاحیتیں بیدار ہوسکیں، مشکل ہے۔

ذکر کے حوالے سے دل کی غفلت دور ہو جائے اور دل کا تالہ کھل جائے، اس کے لئے ایک تو اللہ سے مانگتے رہنے کی نفسیات پیدا ہونی چاہیے۔ مذکورہ دعا کثرت سے مانگتے رہنی چاہیئے، دوم یہ کہ صاحبان دل اور بینا دل کے حاملوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے، اس سے دل کا تالہ کھلنا شروع ہو جائے گا اور دل میں بینائی (روشنی) آنا شروع ہو جائے گی۔

ذکر کے حوالے سے دل کا تالہ کھلنا اور بینا دل کی نعمت کا حاصل ہونا، دنیا میں اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے، اس لئے کہ اس سے زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ جو وقت کی صورت میں حاصل ہے، وہ اللہ سے ملاقات کی تیاری اور اللہ سے محبت میں صرف ہونے کی سعادت حاصل ہو گی۔

وقت سرمایہ حیات ہے، اس کی قدر کرنی چاہیئے اور اس قیمتی وقت کو دل کے تالہ کو کھولنے، بینا دل کی نعمت حاصل کرنے اور ذکر کے نور سے سیرت و کردار میں پاکیزگی حاصل کرنے اور آخرت میں فلاح کے مقصد کے لئے صرف کرنا چاہیئے۔



# قساوت قلبی کے اثرات و نتائج

دل، انسانی شخصیت میں فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہے، انسان کے جسمانی نظام کو قائم رکھنے کے سلسلہ میں بھی تو انسان کی باطنی اور روحانی زندگی کو پاکیزہ رکھنے اور دینی اور مذہبی زندگی کو برقرار رکھنے کے اعتبار سے بھی، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ انسان کے اندر گوشت کا ایک ٹکرہ ہے، وہ اگر صحیح ہو جائے تو فرد کی ساری زندگی (اور زندگی کے سارے پہلو) صحیح ہو جاتے ہیں، دل اگر خراب ہو جائے (بگڑ جائے اور فساد سے عبارت ہو جائے) تو ساری زندگی (اور زندگی کے سارے پہلو) خراب ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل کی سلامتی سے ہی فرد کی ساری دینی و مذہبی زندگی کی سلامتی وابستہ ہے۔

دل کی غذا اللہ کا ذکر ہے، دل ذکر کے لئے مضطرب رہتا ہے، اللہ کے ذکر سے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی استعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور فرد کے لئے صراط مستقیم (سیدھی راہ پر چلنا) آسان ہو جاتا ہے، ذکر سے محرومی کا سب سے بڑا نقصان جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ قساوت قلبی پیدا ہو جاتی ہے اور دل سیاہ ہونے لگتا ہے، قساوت قلبی ایک نہیں، بہت ساری بیماریوں کی بنیاد ہے۔

قساوت قلبی کے پیدا ہونے میں جن اسباب کو عمل دخل حاصل ہے، ان میں کچھ اسباب یہ ہیں، ذکر سے غفلت و سستی، کا ہونا، بالآخر ذکر کو چھوڑ دینا، ذکر والوں کی صحبت سے دوری کا ہونا، دنیاداروں سے دلی تعلق کا قائم ہونا اور ان سے دوستی کا مستحکم ہونا، فرائض اور

واجباب کی ادائیگی سے غافل ہونا، اعمال صالحہ کے ملکہ کو مستحکم کرنے کے مواقع کو ضایع کرنا، دنیا کی محبت کا غالب ہونا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف ہے کہ فرد جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ نقش ہو جاتا ہے، اگر گناہ سے باز آجاتا ہے تو یہ سیاہ داغ مٹ جاتا ہے، اگر وہ گناہ سے باز نہیں آتا تو دل پر دوسرا داغ نقش ہو جاتا ہے، پھر مزید گناہوں سے فرد کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے، سیاہ دل دراصل اپنے ساتھ قساوت قلبی کی بیماری لاتا ہے، قساوت قلبی کے حامل فرد کی عبرت وموعظت اور نصیحت حاصل کرنے، رجوع ہونے اور توبہ کرنے کی استعداد غیر معمولی طور پر کمزور ہو جاتی ہے، یہ صلاحیت ختم تو نہیں ہوتی، لیکن مضمحل ضرور ہو جاتی ہے۔

قساوت قلبی کا حامل فرد اگر اس بیماری کے المناک نتائج سے سنبھلنا چاہے تو وہ حوصلہ اور ہمت سے کام لے کر سنبھل سکتا ہے، مثلا قساوت قلبی کے نتیجہ میں غصہ، اشتعال، جھنجھلاہٹ، فکری انتشار، دوسروں کی بدخواہی، نہ چاہنے کے باوجود دوسروں کو نقصان پہنچانے کی کاوشوں وآرزوؤں کا ہونا، زندگی میں بے برکتی کا ہونا، سکون قلبی سے محرومی وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو قساوت قلبی کا نتیجہ ہیں۔

فرد قساوت قلبی کے ان المناک نتائج واثرات سے مجبور ہو کر رجوع ہونا چاہے تو وہ رجوع ہو سکتا ہے اور اپنی زندگی کو از سر نو ہدایت کی راہ پر استوار کر سکتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ وہ صالح افراد کی صحبت کے ماحول سے وابستہ ہو جائے، صحبت کے اس ماحول سے رفتہ رفتہ اس کی فاسد عادتیں ختم ہونا شروع ہو جائیں گی اور وہ قساوت قلبی سے نجات حاصل کر کے، قلب سلیم کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔



اللہ کا وعدہ ہے کہ فرد زندگی کے جس موڑ پر بھی ہدایت کی راہ اختیار کرے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کے لئے نئی طاقتور ایمانی زندگی اور اعمال صالحہ کے راستے کھول دیئے جائیں گے، قرآن میں اس طرح کی متعدد آیتیں ہیں۔

**قل یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔**

(میرے وہ بندے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے ان سے کہدیجئے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سارے گناہ معاف کنے والا ہے)۔

# جدید طبقات کا

## اسلام پر اعتماد بحال کرنے کی کاوشوں کی ضرورت

مغربی فکر اور مغربی تہذیب کے غلبہ کا ایک بڑا نقصان جو عالم اسلام اور مسلم معاشروں کو ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلم معاشروں کے سارے مؤثر طبقات میں اسلام کے نظام زندگی ہونے پر اعتماد مجروح ہوا ہے، مغربی فکر اور مادہ پرست تہذیب کے زیر اثر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جدید دور میں سیاست، معیشت، معاشرت اور اجتماعی زندگی کے بارے میں اسلام کی تعلیمات ایسی ہیں، جو قابل عمل نہیں ہیں، ایک بڑا طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر قابل عمل ہیں بھی، لیکن ہمارے لئے ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونا دشوار ہے، اس سے ہماری مادی ترقی کی راہیں مسدود ہوں گی۔

مغرب نے جو مادی ترقی کی ہے، ہمارے مؤثر طبقات کے لئے اصل ماڈل یہی مادی ترقی ہے، وہ اسی راہ پر گامزن ہیں اور اسی راہ پر مزید گامزن رہنا چاہتے ہیں، یہ دراصل سیکولر طرز فکر ہے، جو اس دور میں مسلم معاشروں کے سارے مؤثر طبقات میں عام ہوا ہے۔

اسلام جہاں مذہب ہے، وہاں وہ دین (نظام زندگی) بھی ہے، اس کی تعلیمات انفرادی واجتماعی زندگی پر حاوی ہیں، معیشت، معاشرت اور سیاست سے لے کر انفرادی زندگی کے چھوٹے بڑے سارے معاملات کے بارے میں اسلام رہنمائی کرتا ہے، زندگی کے کسی بھی شعبہ کو اسلام سے خارج نہیں کیا جا سکتا، ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' (اللہ کے ہاں (قابل قبول) دین تو اسلام ہی ہے)۔

اس دور میں مغربی فکر اور مغربی تہذیب، اسلام اور اہل اسلام کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے۔

اس تہذیب نے ہمارے کروڑہا افراد کے شعور، لاشعور اور مزاج کو متاثر کر کے، انہیں سیکولرزم اور مادی نظریات کی راہ پر لگایا ہے، یہ عالم اسلام کا بہت بڑا المیہ ہے۔



اسی فکر کا اثر ہے کہ نماز روزہ کے باوجود معیشت و معاشرت، سیاست اور اجتماعی زندگی سے اسلام کو خارج کر دیا گیا ہے، اور دین کے محدود مذہبی تصور سے نجات کو وابستہ کر دیا گیا ہے۔

ہمارے سارے مؤثر طبقات کے اس میلان اور ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ مسلم معاشرے لگ بھگ پچھلے سو سال سے شدید کشمکش کا شکار ہیں، وہ کشمکش یہ ہے کہ مغربی فکر سے مرعوب طبقات ریاست کے اجتماعی نظام کو جدیدیت اور مادیت پرستی کی راہ پر لے جانا چاہتے ہیں، جب کہ دینی طبقات اجتماعی زندگی کا نقشہ اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ بنانا چاہتے ہیں، اس کشمکش میں مغربی فکر کے حامل مؤثر طبقات کا پلڑہ بھاری ہے، اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان کی پشت پر مغرب کی پوری طاقت شامل ہے۔

ہمارے مغرب زدہ طبقات اس اعتبار سے قابل رحم ہیں کہ وہ اسلام کے دعویدار ہونے کے باوجود اجتماعی زندگی میں نفاذ اسلام کی راہ میں شدید مزاحم ہیں، وہ ہر صورت میں مغرب سے فکری، ذہنی، علمی اور عملی وابستگی چاہتے ہیں، اس طرح وہ آخرت میں اللہ کے شدید عتاب کے خطرہ سے دوچار ہیں۔

ضرورت ہے کہ مغربی فکر اور مغربی تہذیب کی کمزوریوں کی علمی طور پر بھرپور نشاندہی کر کے، اسلامی فکر کی برتری کو ثابت کرنے کی کاوش ہو، یہ اسلام کا بہت بڑا محاذ ہے، جس پر کام کی اشد ضرورت ہے۔

ہمارے جدید مؤثر طبقات جب تک مغرب سے ذہنی مرعوبیت کی حالت میں ہیں، اس وقت تک ان کا سیکولر طرز فکر سے نجات حاصل کر کے، اسلام کے مکمل نظام زندگی ہونے پر اعتماد بحال نہیں ہو سکتا، اس سلسلہ میں سیکولرز نظام زندگی اور اسلامی نظام زندگی کے تقابلی مطالعہ کی ضرورت ہے، تاکہ اسلام کی برتری پر یقین بحال ہو سکے۔

# نفس کی فنائیت (خواہشات سے دستبرداری) کے کام کی اہمیت

## (زوال پذیر قوموں کا اصل جرم نفس پرستی کا ہونا رہا ہے)

اہل اللہ، نفس کی فنائیت پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں، نفس کی فنائیت کیا ہے؟ نفس کی وہ حالت ہے، جس میں اپنے سارے مجاہدوں اور اپنی ساری عبادت اور اپنے سارے اعمال کو ہیچ سمجھکر اس ذات پاک سے لرزاں وترساں رہنا ہے، اس میں دوسروں سے حسن ظن رکھنا اور اپنے نفس سے بدظنی رکھنا بھی شامل ہے۔

نفس کی فنائیت کی یہ حالت ایسی ہے جو راہ محبت میں اپنی جان کی بازی لگانے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوتی ہے۔

نفس اور نفسانیت کے حوالے سے بزرگان دین کے علوم دراصل قرآن وسنت سے ہی ماخوذ ہیں، اس سے باہر نہیں، یہ علوم نفس کی دنیا کے وسیع تجربات ومشاہدات کا نچوڑ ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ قرآن میں زوال پذیر قوموں کے جو بھی واقعات آئے ہیں (جو قومیں عذاب کا شکار ہوئیں) قدرت کے عتاب کا شکار ہونے والی ان ساری قوموں کا سب سے بڑا جرم نفسی قوتوں کی پرستش ہی تھا، نفسی قوتوں کی پرستش ہی انہیں اللہ اور اس کے انبیا کی مخالفت، توحید سے انکار اور سرکشی کی راہ پر گامزن کرنے کا باعث ہوئیں۔ ان کی بت پرستی بھی نفس کو تسکین دینے کا ایک ذریعہ ہی تھا۔

اس وقت بھی انسانیت کی سطح پر جو کشمکش جاری ہے، وہ ساری کشمکش نفسی قوتوں ہی کی برپا کردہ ہے، اس وقت انسانیت پر تعیش، لذت اور مادی حسن پر فریفتگی کی حالت غالب ہے،



دنیا کے حوالے سے حرص وہوس کے بت مستحکم ہیں، پھر شعور کو استعمال کرتے ہوئے انہی نفسانی خواہشات پر مشتمل نظریات ایجاد ہوئے ہیں، جن کے تحت انسان جانور کی ترقی یافتہ صورت ہے، اس کا نصب العین مادی زندگی کو لذیذ سے لذیذ تر بنانا ہے اور ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرتے رہنا ہے، نیز دنیاوی زندگی ہی اصل ہے، مر کر فنا ہونا ہے۔

غرض کہ زوال پذیر قوموں کی نفسیات اور مزاج کی ساخت اور جدید مادہ پرست قوموں کے مزاج اور نفسیات میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا مقصود خواہشات کو معبود بنا کر، آخری حد تک ان کی پوجا کرنا ہے، چونکہ عقیدہ توحید اور نبوت اس راہ میں حائل ہے، اس لئے اس کا انکار کرنا ہے۔

اہل اللہ کا کہنا ہے کہ انسانی نفس سارے بتوں کا مجموعہ ہے، اس بت کی پرستش سے بچ کر اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں دیدینا اور خالص اللہ کا ہوجانا، اس کے لئے نفس کی فنائیت کے مراحل طے کرنا ناگزیر ہے، اس کے بغیر نفس پوری طرح مطیع نہیں ہوتا، نیز اس کی خواہشات کا سحر قائم رہتا ہے۔

جب نفس کی فنائیت کا عمل مکمل ہوگا تو انسانی شخصیت کے جوہر اجاگر ہوں گے، فرد اللہ کی اطاعت میں پیش پیش ہوگا، وہ اللہ کے بندوں کے حق میں رحم دل اور شفیق ہوگا، ان سے بے غرضانہ محبت کرے گا، اس کے دل میں دولت، دنیا اور مادی حسن کی اہمیت باقی نہ رہے گی، وہ اخلاص، للھیت اور بے نفسی سے عبارت ہوگا، اس پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) غالب ہوگا۔

بد قسمتی سے موجودہ دور میں نفس کی فنائیت کے کام کو کام نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ نفس پرستی کی قوتیں مشتعل اور بے لگام ہو گئی ہیں، اس کی وجہ سے ہر سطح پر تصادم، محاذ آرائی، ٹکراؤ، انتشار اور فساد برپا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ سے واپسی پر صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم چھوٹی جنگ سے بڑی جنگ کی طرف آ رہے ہو، صحابہ کرامؓ حیران ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ بڑی جنگ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نفس سے جہاد کرنا۔

نفس کے خلاف جنگ کا یہ عمل اگرچہ موت تک قائم رہتا ہے، تاہم نفس کی فنائیت (جسے اصطلاح میں فنا کہتے ہیں) تک پہنچنے کے بعد نفس کی سرکشی کا زور بڑی حد تک ٹوٹ جاتا ہے، اور فرد کو اللہ کی کریمانہ صفات کا کچھ حصہ ملنے لگتا ہے۔ (تخلقوا باخلاق اللہ)

سب سے بڑی بات یہ کہ اس مرحلہ پر فرد میں انتہا درجہ کی عاجزی پیدا ہوتی ہے، اسے اپنی ذات میں نقائص کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، اللہ کی شان عظمت کے غلبہ کے نتیجہ میں ہی ایسا ہوتا ہے۔

یہاں یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ ایک ہے فنا کے آثار کا نظر آنا، دوسرا ہے فنا کی حالت کا مستحکم ہونا، ان دونوں میں فرق ہے، جب فنا کی حالت مستحکم ہوتی ہے تو فرد کی نظر اپنے اعمال، اپنے مجاہدوں اور اپنی نیت پر نہیں جاتی، یعنی وہ اپنی ان ساری چیزوں کو ناقص سمجھتا ہے، اس کی نظر اللہ کے فضل خاص پر رہتی ہے کہ وہ اپنے فضل خاص سے اس کے ساتھ آخرت میں بہتر معاملہ کرے گا اور اسے رسوائی سے بچائے گا۔

ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا اسلامی نقطہ نگاہ سے نفس کی فنا کا یہ مقام ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک حد تک ضروری ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر



نفس، فرد اور افراد کو زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلہ پر الجھاتا رہے گا، پریشان کرتا رہے گا، اس کی توجہ کو دنیا، مادی حسن، جذبہ خود نمائی وغیرہ کی طرف مبذول کرتا رہے گا، اپنے مجاہدوں پر ناز کر کے اور اپنی بزرگی کا سکہ جمانے اور حقیقی بزرگوں کی بزرگی کو تسلیم نہ کرنے کے خیالات پیدا کرتا رہے، اس لئے اخلاص اور للھیت کے لئے نفسی قوتوں سے اتنا مجاہدہ ناگزیر ہے، جس سے ان قوتوں کا زور قابل ذکر حد تک ٹوٹ جائے۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا نفس کی فنائیت کا یہ عمل اہل سلوک کے علاوہ دوسرے افراد کا بھی طے ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہر وہ بندہ مؤمن جو خود احتسابی کے ساتھ نیکوکاری کی روش اختیار کرے گا اور ضمیر کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے اپنی اصلاح کرتا رہے گا، نفس کی قوتوں سے آشنا ہو کر، ان قوتوں کی پرستش سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرے گا، اس معاملہ میں غیر معمولی طور پر حساسیت کا مظاہرہ کرے گا تو ایسا فرد بھی اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی بدولت نفس کی فنائیت تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، لیکن اس کے لئے خود احتسابی، صبر واستقامت اور قرآن وسنت سے گہرا تعلق ہونا ضروری ہے، اگرچہ یہ کام غیر معمولی طور پر مشقت کا کام ہے، بندہ مؤمن کو روزانہ نفس کی مکر وفریب کی بہت ساری واردات کا سامنا ہوگا، لیکن اندر میں ڈوبتے رہنے اور مسلسل خود احتسابی سے کام لیتے رہنے سے انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ نفسی قوتوں کا زور ٹوٹ جائے گا۔

# حب مال کے اثرات ونتائج

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو مال ودولت سے وابستہ کیاہے، مال ہوگا تو ضروریات پوری ہوں گی، ورنہ زندگی مشکل ہی نہیں، بلکہ وبال ہو جائے گی، جب مال کی آمد رک جائے تو فرد شدید اضطراب سے دوچار ہوتا ہے، پیٹ کی آگ بجھانے اور بال بچوں کی ضروریات کے لئے مال چاہئے، اور مال کے لئے محنت اور جدوجہد چاہئے، ایک حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو روزی کے دوراں محنت سے پسینہ بہتے ہوئے دیکھکر خوش ہوتا ہے۔

مال کی اہمیت ان لوگوں سے پوچھی جائے، جو مال سے بالکل محروم ہیں، اس لئے ضرورت کی حد تک مال کا ہونا، اللہ کے انعام سے کم نہیں ہے، مال کی اس اہمیت کے باوجود دولت اور مال میں ایسی کشش رکھی گئی ہے کہ جن کے پاس مال آتا ہے، وہ عام طور پر مزید مال کے حصول کے جنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حرص وہوس ان کا احاطہ کر لیتی ہے، سوم یہ کہ ایسے افراد مال کو اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال تک محدود کر لیتے ہیں، غریب اور مستحق افراد کی ان کی مدد ومعانت کی حس کمزور ہو جاتی ہے، چہارم یہ کہ مال کی مصروفیات عام طور پر افراد کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے، پنجم یہ کہ مال حب جاہ وحب مال جیسی بیماریوں میں اضافہ ذریعہ بنتا ہے، ششم یہ کہ مال میں نشہ کی سی کیفیت ہوتی ہے۔

بہت کم مالدار اور سرمایہ دار ایسے ہوتے ہیں، جو مال کی ان خرابیوں سے محفوظ ہوں، ورنہ عام طور پر معاشرہ مالداروں کی مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے فساد اور ٹکراؤ سے دوچار ہوتا ہے۔



ہم اگر معاشرہ کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ ایک ہی خاندان کا اگر کوئی فرد مالدار ہے اور ان کے خون کے رشتے کے دوسرے افراد غریب، محتاج اور مسکین ہیں تو مالدار فرد خونی رشتہ کے باوجود اپنے مستحق عزیزوں کی مدد کرنے کا روادار نہیں ہوتا، وہ انہیں ان کی حالت زار پر چھوڑ دیتا ہے، یہ کتنی بڑی سنگین بات ہے، اس کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے بھی دل مغموم ہو جاتا ہے، اگر واقعات جمع کئے جائیں تو معاشرہ میں موجود ۹۵ فیصد مالداروں کی دولت سے محبت کی یہی حالت ہے اور اپنے غریب عزیزوں سے یہی روش ہے، مال کی یہی وہ خرابیاں ہیں جس کی وجہ سے قرآن نے مالداروں کے حالات کی بہت بہتر طور پر عکاسی فرمائی ہے۔

اب معاشرہ میں دولت، عزت کا معیار بھی بن گیا ہے، معاشرہ میں عزت وتکریم کے لئے اب ضروری ہو گیا ہے کہ فرد کے پاس زیادہ سے زیادہ دولت اور سامان آسائش موجود ہو، دوسری صورت میں معاشرہ میں نکو اور بے وقار بن کر رہنے پر مجبور ہونا پڑے گا، عزت کا تقویٰ اور نیکوکاری کی بجائے دولت سے وابستہ ہونا، یہ امت کا بڑا المیہ ہے، چنانچہ عزت کے مصنوعی معیار کی خاطر ناجائز ذرائع سے دولت کے حصول کی کاوشیں عروج پر ہیں، رشوت، سرکاری خزانہ کے غلط استعمال، مہنگائی، بجلی کی چوری، اور ذخیرہ اندوزی جیسے ذرائع سے دولت کے حصول کی کوششیں عام جام ہیں۔

سرمایہ داری نظام کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ جس بت کی پوجا ہو رہی ہے، وہ مال ودولت کا بت ہی ہے، مادی ترقی، سامان تعیش کے نئے نئے سامان کی ایجاد، بڑی بڑی شاندار گاڑیوں کی کثرت، بڑے بڑے بنگلوں، بازار اور دکانوں میں لذت کی نئی نئی اشیاء اور الیکٹرانک میڈیا پر ان ساری چیزوں کے مظاہر اور مناظر اور اشتہارات نے ایسی

صورتحال پیدا کردی ہے کہ انسانوں کی اکثریت کا ان چیزوں کے حصول کے لئے دل مچلنے لگا ہے۔

چونکہ دولت کے ساتھ سامان تعیش اور سامان لذت وابستہ ہے، اس لئے ہر فرد اس ارمان میں ہے کہ کاش کہ اس کے پاس بھی کثیر دولت ہو، تاکہ وہ تعیش اور لذت کی زندگی گذار سکے اور ہر طرح کی لذتوں سے متمتع ہو سکے، الیکٹرانک میڈیا دولت و دنیا کے بت کو خوبصورت بنا کر جس طرح پیش کر رہا ہے، اس کی وجہ سے اس بت کے پجاریوں کی تعداد میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو رہا ہے۔

ایک طرف دولت کے ظالمانہ تقسیم نظام نے یہ صورتحال پیدا کردی ہے کہ اسی فیصلہ افراد کو دو وقت کی روٹی ہی بمشکل دستیاب ہے، ان کے لئے جسم اور روح کے رشتہ کو قائم رکھنا دشوار ہے، دوسری طرف حالت یہ ہے کہ چند فیصد افراد کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کی کئی نسلوں کی ضرورت سے بھی زیادہ۔

مال کی اس طرح کی بہت ساری خرابیوں کی وجہ سے قرآن نے مال سے محبت کے بارے میں انتباہات دیئے ہیں اور دنیا کی زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے، یہاں کچھ آیتوں کے ترجمہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

''کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ (سورہ التوبہ آیت ۳۸)

''یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں، یہ آخرت سے غافل ہیں۔ (سورہ الروم آیت ۷)

''تم دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں۔ (الانفال آیت ۶۷)



''یہ دنیاوی زندگی تو کھیل اور تماشہ کے سوا کچھ بھی نہیں، اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اگر ان کو علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔ (العنکبوت آیت ۶۴)

''جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو مال دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کر کے پھر گئے، تو اللہ نے ان کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ (سورۃ توبہ آیت۔۷۶۔۷۷)

''بڑی خرابی یعنی سخت عذاب ہے ان کافروں کے لئے جو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ (سورہ ابراہیم آیت ۳)

''جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی پر راضی اور خوش ہیں اور جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ان کے کاموں کے بدلے میں۔ (سورۃ یونس آیت ۷۔۸)

''اور جو لوگ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ ان کے حق میں (بہت) بڑا ہے یقیناً ان لوگوں کو قیامت کے دن طوق پہنایا جائے گا اس مال کا، جس میں انہوں نے بخل کیا۔ (آل عمران آیت ۱۸)

(جہنمیوں کے ذکر میں ہے) یہ لوگ اس سے پہلے عیش نعیم میں پڑے ہوئے تھے۔ (الواقعہ آیت ۴۵)

مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں ناز و نعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دو ان لوگوں کو تھوڑے دن اور مہلت دیدو (اور ان کے لئے) ہمارے ہاں بیڑیاں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔ (المزمل آیت ۱۱ سے ۱۳)

# حقیقی اور جعلی تصوف

## اہم اور مختصر تجزیہ

زوال کے دور میں قوموں کے سارے ادارے زوال کا شکار ہو جاتے ہیں، موجودہ دور میں جہاں دوسرے ادارے زوال پذیر ہیں، وہاں تصوف کا ادارہ بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں، اس دور میں حقیقی اہل تصوف چھپ گئے ہیں، جب کہ جعلی اہل تصوف دولت و دنیا کمانے اور شہرت کی خاطر بلند بانگ دعووں کے ساتھ سامنے آئے ہیں، آج کل مختلف شہروں کی دیواروں پر ایک جعلی صاحب تصوف کی طرف سے اشتہارات کا سلسلہ جاری ہے، جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایک ماہ تک میرے ساتھ تعلق رکھیگا، اسے روحانیت کی نئی زندگی حاصل ہو گی۔

اشتہار میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے لئے ایمان وعقائد کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں ہے، یعنی توحید اور رسالت پر ایمان کے بغیر نئی طاقتور روحانی زندگی حاصل ہو گی۔

اشتہار میں کہا گیا ہے کہ صاحب تصوف شخصیت کی طرف سے ۱۹۹۳ء سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے، اب تک ان صاحب سے لاکھوں افراد بیعت ہو چکے ہیں، آپ بھی دیر نہ کریں، بیعت ہو کر نئی پاکیزہ زندگی حاصل کریں۔''

ان صاحبِ تصوف شخصیت کی طرف سے مختلف کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں، ان کتابوں میں بڑے بڑے دعوے کئے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ میری ساری تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی ہے، دوسرا سب سے بڑا دعویٰ جو ان صاحب نے کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اسے اللہ کی طرف سے براہ راست احکام ملتے رہے ہیں، کتاب میں ان احکام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔



ان صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے دینی تعلیم اور راہ سلوک کی تربیت کسی استاد یا شیخ سے حاصل نہیں کی، انہیں جو بھی مقامات و منازل حاصل ہوئی ہیں، وہ بغیر شیخ کی صحبت سے حاصل ہوئی ہے۔

حالانکہ بزرگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحبت اہل اللہ کے بغیر بزرگی کے مقام پر فائز ہو کر، دوسروں کی تربیت کرنا فرد کو بہت سارے خطرات میں ڈال دیتا ہے، بلکہ بعض بڑے بزرگ اس معاملہ میں اتنا آگے گئے ہیں کہ وہ کہتے ہیں جس کا کوئی شیخ نہیں ہے، اس کا شیخ شیطان ہی ہے۔

اصل میں نفس کی قوت اتنی خوفناک ہے اور نفس کی دنیا میں اتنے طوفان برپا رہتے ہیں کہ طویل عرصہ تک شیخ کی صحبت، اس کی نگرانی اور تربیت کے بغیر فرد کی اصلاح نہیں ہوتی، اس لئے دیکھا گیا ہے کہ شیخ کی صحبت و تربیت کے بغیر جو بھی فرد شیخوخیت کے مقام پر فائز ہوا، وہ اپنے لئے اور امت کے لئے باعث خطرہ ثابت ہوا، اس سلسلہ میں مرزا غلام قادیانی کی مثال سب کے سامنے ہے۔

کشف کی بنیاد پر بڑے بڑے دعویٰ کرنا اور قرآن وسنت کی موجودگی میں اللہ کی طرف سے احکامات کے نازل ہونے کا دعویٰ کرنا، یہ اغوائے شیطانی ہے، جب نبوت، رسالت اور وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو احکامات کے نزول ہونے کی دعویٰ کرنا، نبوت کے دعویٰ کے مترادف ہے اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

ان صاحب نے ایمان پر روحانیت کو ترجیح دے کر، گمراہی کا نیا پھاٹک بھی کھول دیا ہے، اس لئے کہ ایمان اور صحیح عقائد کے بغیر کوئی روحانیت اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں، قرآن میں بیسیوں بار عمل صالح پر ایمان کو ترجیح دی گئی ہے، یعنی اسلام کی ساری بنیاد ایمان پر قائم ہے، ایمان کے بعد عمل صالحہ پر ہے، روحانیت کا تو سرے سے قرآن میں ذکر ہی نہیں ہے، البتہ روح کا ذکر ضرور ہے، لیکن ایمان کے بغیر روح کا اللہ سے مستحکم تعلق کا ہونا اور ایسی روحانیت کا اللہ کی نظر میں قبول ہونا، اسلام اس کی نفی کرتا ہے۔

حقیقی تصوف میں کشف کو کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے، اس لئے کہ کشف میں کشف رحمانی کے ساتھ کشف شیطانی کو بھی عمل دخل حاصل ہوتا ہے۔

امت میں جن بزرگان دین کو مقام حاصل ہوا ہے، ایسے بزرگان ہزاروں لاکھوں سے متجاوز ہیں، انہوں نے اپنے کشف کو کوئی اہمیت نہیں دی، کشف کو دعویٰ اور اشتہار بازی کا ذریعہ بنانا تو دور کی بات ہے، کشف کی ساری حیثیت حوصلہ افزائی سے زیادہ نہیں، جو کشف قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی ہو، اس کشف کو شخصیت کو چمکانے کے مقصد کے لئے استعمال کرنا سراسر گمراہی ہے۔

حقیقی اہل اللہ کو جو صحیح کشف ہوتا ہے، وہ کشف ان کا ایک ذاتی عمل ہوتا ہے، اس سے مقصود ان کے ایمان میں اضافہ کرنا اور یقین کو پختہ کرنا ہوتا ہے، لیکن اپنے ذاتی نوعیت کے کشف کو دوسروں کو اپنی بزرگی کی طرف بلانے کا ذریعہ بنانا اور دین کی تعلیمات اور وحی کے متبادل کے طور پر استعمال کرنا سراسر گمراہی ہے۔

بزرگی اور تصوف تو دعویٰ سے آخری حد تک دستبرداری اور فنائیت کا نام ہے، اپنی ذات کی آخری حد تک نفی کا ذریعہ ہے اور اپنے آپ کو لاشی سمجھنا ہے۔

کچھ وظائف کو معمول بنانے اور کچھ ریاضتیں کرنے کے نتیجہ میں تسخیر قلوب کی کچھ صلاحیتیں حاصل ہوتی ہیں اور نگاہوں میں کچھ تاثیر پیدا ہوتی ہے، جو افراد عقیدت اور محبت سے صحبت اختیار کرتے ہیں، ان کے اندر کچھ کیفیات پیدا ہوتی ہیں، لوگ ان کیفیات ہی کو حاصل سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ تصوف میں یہ کیفیات نہ تو مقصود ہیں اور نہ ہی ضروری، اصل مقصود ایمان وعقیدہ کا استحکام، اسلامی شریعت کی پابندی، سیرت وکردار کی پاکیزگی اور حب مال اور حب جاہ جیسی بیماریوں سے بچاؤ ہے۔

ضرورت ہے کہ لوگوں کو حقیقی تصوف کی نوعیت سے آشنا کیا جائے، ورنہ تصوف کے نام پر دعویدار افراد لوگوں کے ایمان کو غارت کرنے کا موجب بن جائیں گے۔



# نفس شناسی کی راہ

## زندگی کے رخ کو بدلنے کا اہم ذریعہ

نفس شناسی جن سوالات کا جواب چاہتی ہے، وہ سوالات یہ ہیں، میں کیا ہوں، میں دنیا میں کیوں آیا ہوں، میرا مقصد حیات کیا ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ ایسے سوالات جن کا حل نبوت اور وحی کی روشنی میں نفس شناسی کے مراحل طے کرنے سے ہی حاصل ہوگا، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں۔(**وفی انفسکم افلا تبصرون**)اور ہم تمہارے اندر موجود ہیں، آخر تم دیکھتے کیوں نہیں ہو)۔

وحی کی روشنی میں جب ہم اندر میں ڈوبنے کا عمل جاری رکھتے ہیں تو ہمیں اندر میں دل اور روح کی جوہری قوتوں سے وابستہ پڑتا ہے، ساتھ ساتھ مادی نفس کی قوتوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

نفس شناسی دراصل ان دونوں قوتوں کے درمیاں ٹکراؤ کے ذریعہ مادی قوتوں پر روحانی قوتوں کو غالب کرنے کا ذریعہ ہے۔

نفس شناسی شروع سے انسان کی ناگزیر ضرورت رہی ہے، موجودہ دور میں اس کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، سبب یہ ہے کہ ایک تو یہ فطرت کی ناگزیر ضرورت ہے، دوم یہ کہ مادہ کی بے رحم طاقتوں نے انسانیت کو یرغمال بنا کر، اسے شدید ذہنی اذیت اور اضطراب کی حالت سے دوچار کر دیا ہے اور انسانیت کو پاکیزہ اخلاقی اور روحانی قدروں سے دور کر دیا ہے، نیز انسان کو حیوان کی سطح پر لا کر، اسے ایک دوسرے سے صف آرائی کی حالت سے دوچار کر دیا ہے۔

نبوت اور وحی کی روشنی میں جب ہم نفس شناسی اور اللہ شناسی کی راہ پر چلتے ہیں تو ہمیں ایک طرف تو باطن میں موجود جوہری قوتوں سے واسطہ پڑتا ہے اور وہ اپنی طرف کھینچتی ہیں تو دوسری طرف نفس کی مادی قوتوں کی کشش ہوتی ہے، جو جان چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔

نفس شناسی میں ذکر وفکر، عبادت اور صحبت اہل اللہ کو بنیادی عمل دخل حاصل ہے، جب ان چیزوں کے ذریعہ نفس شناسی کے کچھ مراحل طے ہوتے ہیں تو ایک وقت آتا ہے کہ شخصیت پر انوار الٰہی کا غلبہ ہونے لگتا ہے اور نفسی قوتیں ڈھیلی پڑنا شروع ہو جاتی ہیں، اس طرح نفس لوامہ غالب ہو کر مطمئنہ کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، لیکن نفس شناسی کی راہ میں اس مقام تک رسائی کے لئے نفس کی چھوٹی بڑی سینکڑوں وادیاں اور گھاٹیاں طے کرنی پڑتی ہیں اور نفس کی مکر وفریب کی ہزارہا واردات سے گزرنا پڑتا ہے، یہ کوئی آسان کام نہیں، سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہونے، عبدیت کے تقاضوں سے آشنا ہونے اور محبوب حقیقی سے وصال کے لئے اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہے۔

نفس شناسی کا لازمی نتیجہ اللہ شناسی ہے، اس لئے نفس شناسی اور اللہ شناسی ایک دوسرے کا لازمی نتیجہ ہیں، نفس شناسی کی راہ میں طالب کو روزہ مرہ زندگی میں اس بات کا تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ روح، محبوب حقیقی کے لئے مچلتا رہتا ہے، اس کے بغیر اسے قرار ہی حاصل نہیں ہوتا، جس دن ذکر وفکر میں کمی واقع ہو گی، اس دن روح اپنا سارا اضطراب اور بے قراری پوری انسانی شخصیت کی طرف منتقل کرتا ہے۔

نفس شناسی کے تجرباتی مراحل کے ذریعہ معرفت رب کا حصول انسان کا مقصد زندگی ہے، معرفت رب کے بغیر انسانی شخصیت پر اللہ کی شانِ عظمت کی حالت طاری نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اللہ کا استحضار قائم ہو سکتا ہے۔



معرفت نفس کی راہ پر چلتے ہوئے زندگی کے ہر موڑ پر اندر سے جو صدا نکلتی ہے وہ (**انی وجہت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما کان من المشرکین**) کی صدا ہے (یعنی میں نے اپنا رخ سب سے موڑ کر اس ذات کی طرف کیا ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں اس ذات سے دوسروں کو شریک بنانے والوں میں سے نہیں۔ (سورۃ الانعام آیت نمبر۷۸)

# کام کرنے والے فرد کی خصوصیات اور اس کی کچھ مشکلات

معاشرہ میں کسی بھی شعبہ میں بہتر کام کرنے والے افراد کم ہی ہوتے ہیں، بالخصوص سماجی خدمت کام ہو، علمی نوعیت کا کام ہو، تصنیف وتالیف واشاعت کا کام ہو، دعوتی نوعیت کا کام ہو، درس وتدریس کا کام ہو، ان سارے شعبوں میں دلجمعی اور فنائیت سے کام کرنے والے افراد قلیل ہوتے ہیں، اکثر افراد قیل قال کے غازی ہوتے ہیں، بالخصوص زیادہ ذہنی اور علمی صلاحیتوں کے حامل افراد کام کے معاملہ میں پیچھے ہوتے ہیں، ان کا سارا زور خیالی نوعیت کی منصوبہ بندی پر ہوتا ہے، ان کی منصوبہ بندی تو پورا ملک فتح کرنے کی ہوتی ہے، لیکن عملی طور پر وہ دو قدم بھی آگے نہیں بڑھ پاتے، ان کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے حصہ کا کام بھی دوسرے کرلیں۔

ان کے وہ دوست، جو کام کا جنوں کی حد تک مزاج رکھتے ہیں، جو عملا کام کرتے بھی ہیں، ان کے لئے بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنے ذہین دوستوں کے کام کا بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے، خیالی منصوبہ بندی کے حامل دوستوں کی روش یہ ہوتی ہے کہ وہ کام کی بڑے پیمانہ پر منصوبہ بندی کرتے ہیں اور اس منصوبہ کا سارا بوجھ کام کرنے والے اپنے دوستوں پر ڈال دیتے ہیں، اس طرح وہ دوست زندگی بھر ان کی مشق ستم کا کا نشانہ بنتے ہیں۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ فرد کام کی اتنی منصوبہ بندی کرے، جتنا وہ خود کام کر سکے، اور اسے اپنے دوسرے دوستوں پر اپنا کام مسلط کرنے کی ضرورت ہی در پیش نہ ہو، لیکن ذہین افراد عام طور پر ایسا نہیں کرتے، مولانا تھانوی نے سچ فرمایا ہے کہ حالت یہ ہے کہ افراد نہ خود کام کرتے ہیں اور نہ ہی کام کرنے والوں کو کام کرنے دیتے ہیں، ان کے کام میں بھی رکاوٹیں ہی ڈالتے رہتے ہیں، بالکل وہ حالت ہے جو غدر (۱۸۵۷ء) کی جنگ آزادی میں زخمی ہونے والے ایک فرد کی تھی کہ اس نے دیکھا کہ راستہ میں ایک بنیا جا رہا ہے، اس نے بنیے کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ میرے پاس پیسوں کی تھیلی ہے، میں تو مر رہا ہوں، تم یہ تھیلی لے جاؤ، بنیے نے پیسوں



کی تھیلی کی بات سنی تو اس کا منہ پانی پانی ہو گیا اور وہ اس کے قریب آگیا، اس نے ان کے پاؤں پر تلوار مار کر اسے گرالیا، بنیے نے کہا اونت کے اونت (اونٹ کے اونٹ) نہ خود چلے اور نہ ہی دوسروں کو چلنے دے۔

کام کرنے والے فرد کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اتنا کام کرے، جتنا وہ کر سکے، اس کی دوسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دعوتی، علمی یا سماجی خدمت کے کام میں اپنی ساری صلاحیتیں وتوانائیاں خرچ کرتا ہے، اس کے اخلاص، اس کی بہتر حکمت عملی اور مستقل مزاجی کی وجہ سے اس کے کام میں برکت ہوتی ہے اور برسوں کی جدوجہد کے بعد کہیں جا کر اس کے نتائج سامنے آتے ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک فرد کا کام نہیں، بلکہ دسیوں افراد کا کام ہے، ایک ادارہ کا کام نہیں، کئی اداروں کا کام ہے، اس کے کام میں وسعت، پھیلاؤ اور برکت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

یہ سب نتیجہ ہوتا ہے شروع میں اپنی صلاحیتوں سے زیادہ کام نہ لینے اور اخلاص اور مستقل مزاجی سے کام کرنے کا، کام کرنے والے فرد کی زندگی محض منصوبہ بندی پر اکتفا کرنے والے افراد کے لئے نمونہ ہوتی ہے کہ کام لئے جہاں جذبہ اور حوصلہ چاہئے، وہاں بہتر حکمت عملی کی بھی ضرورت ہے، ساتھ ساتھ مستقل مزاجی کی بھی۔

افراد کی عام طور پر حالت یہ ہوتی ہے کہ کام میں مستقل مزاجی کا مظاہرہ نہیں کرتے، وہ جلد سے جلد نتائج دیکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ اخلاص سے کام کرنے والے فرد کے سامنے نتائج نہیں ہوتے، بلکہ اللہ کی رضامندی ہوتی ہے، اس کا سارا کام اللہ کے لئے ہوتا ہے، اس کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالی اس کے کام کے نتائج بھی سامنے لاتا ہے، نیز رفتہ رفتہ اس کے کام کے ساتھ معاونت کرنے والے افراد بھی سامنے آتے ہیں۔

کام کا بتدریج ہونا بھی ضروری ہے، نتائج کے لئے بے چین ہونا نقصان دہ ہے، نتائج اخلاص، بہتر حکمت عملی اور مستقل مزاجی کے ذیلی اثرات ہوتے ہیں۔

# موجودہ دور میں داعی کی بعض خصوصیات

موجودہ دور جو فتنوں کا دور ہے، یہ فتنے ایسے ہیں، جو علم، نظریات اور استدلال کے حوالے سے بھی ہیں تو نفسی قوتوں کو ابھارنے کے نقطہ نگاہ سے بھی۔

اس دور میں داعی کا کردار بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہو گیا ہے، اس لئے کہ داعی کی کاوشوں سے ہی ان فتنوں کی روک تھام کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور معاشرہ میں نیکی کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔

جدید دور میں داعی کو جن خصوصیات کا حامل ہونا چاہیئے، ان میں سے کچھ خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) جو فتنے سیکولرزم اور مادیت پرستی پر مبنی نظریات کی صورت میں آئے ہیں، ان کو سمجھنا اور ان کے توڑ کے لئے علم واستدلال کا ہونا۔

(۲) مادی نظریات اور مادی علوم نے نوجوان نسل کو جس ذہنی سطح کا حامل بنایا ہے، اس ذہنی سطح کو سمجھکر، جدید اسلوب میں دعوتی و علمی کام کا ہونا۔

(۳) محاذ آرائی اور مناظرے کے اسلوب کے بجائے، دل سوزی، محبت اور حکمت کے ساتھ اپنی بات کو پیش کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہونا۔

(۴) جماعتی، گروہی اور دائراتی خولوں سے بلند ہو کر، امت پن کے مزاج کا حامل ہونا اور امت پن کے تصور کو فروغ دینے کے لئے کوشاں ہونا، یعنی جماعتوں اور گروہوں سے وابستگی کی دعوت دینے کی بجائے امت سے وابستہ ہونے اور اسلام پر اعتقاد کو مستحکم کرنے کی



دعوت دینا۔ اگرچہ جماعتوں کی طرف دعوت دینا بھی ایک حد تک صحیح ہے، لیکن امت پن کو جماعتوں پر ترجیح دینا ضروری ہے۔

(۵) ذہنی و علمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ کسی حد تک روحانی صلاحیتوں کا حامل ہونا، اس لئے کہ دعوتی کام میں روحانی صلاحیتوں سے ہی بہتری اور برکت کی صورت پیدا ہوگی، اس نکتہ کو اس طرح بھی بیاں کیا جاسکتا ہے کہ داعی کو جہاں علمی وذہنی صلاحیتوں میں بہتر ہونا چاہیئے، وہاں اس کے لئے دل کی خفتہ صلاحیتوں کی بیداری کی بھی ضرورت لاحق ہے، چونکہ دل کا روح کا گہرا تعلق ہے، اس لئے دل کی بیداری سے روحانی صلاحیتیں از خود ابھرتی جائیں گی، اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس میں مزید لکھنے کی ضرورت ہے، اس موضوع پر ہماری الگ سے کتاب ''داعی اور دعوت کا کام'' کے عنوان سے موجود ہے۔

# دوسروں کو عیبوں کا مرکز سمجھنے

## کی نفسیات اور اس کے نقصانات

فرد کی عام طور پر حالت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ سے غافل ہے، اور نفس پرستی کی روش کے باوجود وہ اپنے آپ کو پاکباز سمجھتا ہے، جب کہ اسے دوسروں میں عیب ہی عیب نظر آنے لگتے ہیں، قرآن نے اس صورتحال کی عکاسی فرمائی ہے **"فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن التقویٰ"** (اپنے آپ کو پاکباز نہ سمجھو، وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ تم میں سے متقی کون ہے)۔

فرد جب اندر میں غوطہ زنی کر کے اپنا محاسبہ کرتا ہے تو اسے اپنے قلب کا آئینہ بالکل زنگ آلود نظر آتا ہے، یا قلب کے آئینہ میں اپنا سیاہ نامہ اعمال نظر آنے لگتا ہے۔

فرد جوں جوں اندر میں غوطہ زنی کے عمل میں مصروف رہتا ہے، اسی حساب سے اسے اپنی بُرائیاں اور خرابیاں زیادہ نظر آنے لگتی ہیں، قلب کا مفتی اسے بتاتا ہے کہ تم تو خود پرست ہو، تم تو خود نمائی اور جذبہ شہرت وناموری کے مریض ہو، تم تو حسد اور جلن کی بیماری میں مبتلا ہو، تم تو مادی حسن پر فریفتہ ہو۔ تمہارا دل تو حب مال سے بھرا ہوا ہے، تم تو اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق کے معاملہ میں بھی سخت کوتاہ واقع ہوئے ہو، تمہاری عبادت رسمی نوعیت کی ہے، ان بہت ساری بیماریوں کے باوجود تمہاری حالت یہ ہے کہ خود کو پاک پوتر سمجھتے ہو، جب کہ دوسروں میں تمہیں عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔

جب تک فرد اندر میں غوطہ زنی کر کے، اپنے محاسبہ کے عمل سے غافل ہے، تب تک اس کا سارا نشانہ دوسرے افراد ہی ہوتے ہیں، اس کا نفس اسے دوسروں کی گلا، غیبت، عیب جوئی، ناروا تنقید اور ان کی تردید و تکذیب کے کاموں میں مصروف رکھتا ہے، المیہ کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے گناہوں کو نفس اسے مزین اعمال کرتے ہوئے دکھاتا ہے، لیکن جوں ہی وہ



اپنے اندر میں ڈوبنے کے عمل کو جاری رکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اصل گناہوں کا مرکز تو اس کا اپنا نفس ہے۔

قلب کی بیداری کے بعد اس کی بیشتر سرگرمیوں کا نشانہ اس کا اپنا نفس بنتا ہے، اور وہ نفس کی پاکیزگی اور اس کی تہذیب اور تزکیہ کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے۔

نفس کے خلاف اس معرکہ آرائی میں اسے عرصہ لگ جاتا ہے، یہ دیکھکر اسے حیرت ہوتی ہے کہ نفس اس کی جان چھوڑنے اور دوسروں کو عیبوں اور گناہوں کا مرکز سمجھنے کی روش سے کسی طرح باز آنے کے لئے تیار نہیں ہے، لیکن نفس کے خلاف مجاہدوں کا عمل بالآخر اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوتا ہے اور فرد نفس کی فنائیت میں بڑی حد تک کامیاب ہو جاتا ہے، اب اسے دوسروں کو بُرائی کا مرکز سمجھنے، ان کی گلا وغیبت کے کاموں سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ اب اسے دوسروں کی اصلاح کے حکیمانہ طریقہ سے بھی نوازا جاتا ہے، اب اسے دردمند دل اور دل سوزی کی صلاحیت عطا کی جاتی ہے، اب اسے دوسروں سے بہتر طور پر گفتگو کے سلیقہ سے نوازا جاتا ہے اور دوسروں کے بارے میں ان کے دل میں موجود میل کچیل کو صاف کر دیا جاتا ہے۔

الحاصل یہ کہ فرد کی اپنی نجات اس بات سے وابستہ ہے کہ وہ اپنے محاسبہ کے عمل کو سارے کاموں پر ترجیح دے، اس ترجیح کے نتیجہ میں جب اس کا نفس بڑی حد تک مہذب ہو جائے گا تو اس کے بعد اسے دوسروں کی اصلاح کے صحیح طریقہ کار سے آشنا کیا جائے گا، دوسرے الفاظ میں صالح پن کے مراحل سے گزرے بغیر مصلح کے مقام پر فائز ہونا خطرات سے خالی نہیں۔

صالح پن کے مراحل طے ہونے کے بعد مصلح کو سلیقہ انسانیت سے نواز کر اسے حکمت اور فراست عطا کر دی جاتی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم بیدار ہوکر دوسروں کو نشانہ تنقید اور دوستوں کو عیبوں کا مرکز سمجھنے کی نفسیات سے بلند ہوکر، اپنے نفس کے سدھارے کے عمل کو جاری رکھکر، معاشرہ کو اپنے نفس کے فتنہ اور اس کی شرارتوں سے بچائیں، دوسری صورت میں افراد کے نہ چاہنے کے باوجود نفس حریصانہ جذبات سے مغلوب ہوکر، معاشرہ کو شدید انتشار، خلفشار اور فساد سے دوچار کرنے کا باعث ہوگا۔



# گھروں میں بڑھتی ہوئی بے برکتی

## اور اس کے ازالہ کی صورت

موجودہ دور میں بے برکتی کی وبا عام ہوگئی ہے، ہر گھر میں رونا رویا جاتا ہے کہ ضروریات پوری نہیں ہوتی، جتنے بھی وسائل آجاتے ہیں، وہ ایسے خرچ ہوجاتے ہیں کہ پتہ بھی نہیں چلتا، مہینہ کے آخری دن سخت تنگی کی حالت میں گذارنے پڑتے ہیں، اس دور میں لگ بھگ ہر گھر کی یہی کہانی ہے، سرمائیداروں، مالداروں اور بڑے افسراں کی بے برکتی کا پہلو یہ ہے کہ وہ حرص وہوس کے عذاب میں مبتلا کردیئے جاتے ہیں، وہ نیند جیسی نعمت سے محروم رہنے لگتے ہیں، ان کی بے برکتی کا یہ پہلو بہت المناک ہے۔

چونکہ ان کی بیشتر دولت ناجائز ذرائع سے حاصل ہوتی ہے یا وہ دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں، اس لئے ان کو اضطراب کے انگاروں پر لیٹ کر زندگی گذارنے کی سزادی جاتی ہے، ان کی دولت میں بے برکتی کا یہی پہلو غالب ہوتا ہے۔

گھروں میں بے برکتی کا جائزہ لیں گے تو اس کے کچھ اسباب درج ذیل نظر آئیں گے۔

(۱) رشوت اور لوٹ مار کے ذریعہ دولت کا حصول اور اس کی وجہ سے مظلوموں کی بدعا کا ہونا۔

(۲) نفس کی بڑھتی ہوئی خواہشات کو ضرورت کی چیزوں میں شامل کرنا اور اس طرح کی ضروریات کے لئے شب وروز ہاتھ پیر مارنا اور متفکر ہوتے رہنا۔

(۳) مدد کے لئے گھر پر آنے والے غریبوں اور مسکینوں کی مالی مدد نہ کرنا اور ان کو کھانا تک کھلانے سے پس وپیش سے کام لینا۔

(۴) دینی خدمت اور سماجی خدمت کے کاموں میں حصہ لینے کے مزاج و میلان کا نہ ہونا۔

(۵) گھر میں نماز، ذکر و فکر اور اوراد و وظائف اور سنت سے ثابت شدہ اوراد کو روزمرہ کے معمولات میں شامل نہ کرنا۔

(۶) بچوں کی بہتر دینی تربیت کے کام کو کام نہ سمجھنا۔

(۷) صبر و شکر، جو عبادت سے پیدا ہوتا ہے، کی نفسیات کا نہ ہونا۔

(۸) قناعت، سادگی اور تھوڑے پر راضی نہ ہونا۔

یہ ساری چیزیں اس دور میں عام ہوگئی ہیں، اس کی وجہ سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوگئی ہیں، جسمانی نوعیت کی بیماریاں بھی تو روحانی نوعیت کی بیماریاں بھی۔

اس کی وجہ سے گھروں سے برکت رخصت ہوگئی ہے اور بے برکتی نے احاطہ کرلیا ہے بیماریوں کا بڑھنا، نئے نئے حادثات کا ہوتے رہنا، یہ سب بے برکتی میں شامل ہے یا بے برکتی کی علامات ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ جن گھروں میں صبر و شکر کی نفسیات موجود ہے، اور اللہ کے ذکر کا خصوصی اہتمام موجود ہے، ان گھروں میں تھوڑے سے وسائل سے ان کی ساری ضروریات پوری ہوجاتی ہیں۔

اللہ کے برکت کا نظام ایسا ہے، جو عبادت، ذکر و فکر اور صبر و شکر سے پیدا ہوتا ہے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ تھوڑے سے وسائل کے ساتھ گھر کا نظام چلے اور اس میں برکت کا سماں ہو تو ہمیں روزی کے لئے جائز ذرائع کے ساتھ ساتھ اللہ سے تعلق مستحکم کرنا ہوگا اور اپنی ہر ضرورت کو اللہ کے سامنے پیش کرکے اللہ سے مانگنا ہوگا۔

برکت کی کچھ علامتیں یہ ہیں۔

(۱) گھر کا ماحول رواداری اور محبت میں تبدیل ہوجائے گا۔



(۲) تھوڑے پر راضی رہنے کی نفسیات پیدا ہوگی اور قناعت، سادگی اور سادہ زندگی میں وہ حلاوت شامل ہوگی کہ اس کے مقابلہ میں ساری دنیا کی دولت بھی ہیچ ہوگی۔

(۳) گھر میں مزاج کے خلاف چھوٹی بڑی چیزوں پر واویلا نہ ہوگا اور تلخیاں پیدا نہ ہوں گی، اگر ہوں گی بھی تو وہ جلد ہی دور ہوجائیں گی۔

برکت اللہ کا ایک انعام ہے، جو نیک بندوں کے مال، دولت، علم اور وقت میں عطا فرمایا جاتا ہے، اس طرح ان کی مدد کرکے انہیں دنیاواہل سے بے نیاز کردیا جاتا ہے، ساتھ ساتھ صبر و شکر اور سکون کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی جاتی ہیں۔

جدید انسان اللہ کے برکت کے نظام کو سمجھنے سے قاصر رہے، اس لئے کہ اس کی ساری تربیت عقلیت اور مادی وسائل کے حصول کے لئے جدوجہد کی بنیاد پر ہوئی ہے، وہ مادی وسائل ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، اس لئے مادی وسائل اس کا مقصود بن گئے ہیں، اس سے ہٹ کر وہ اللہ کے برکت کے نظام کی طرف آنے کے لئے تیار ہی نہیں، اللہ کے برکت کے نظام کا حصہ بننے کے لئے دل سے دنیا کے جنوں اور اس کی ہیبت کو نکالنا پڑتا ہے اور اللہ کی ذات پر توکل، یقین اور صبر و شکر کے اوصاف سے بہرہ ور ہونا پڑتا ہے۔

# اعلاء کلمۃ الحق کا کام اور اس کی اہمیت

اعلاء کلمۃ الحق (یعنی دین کو سر بلند کرنے) کا کام ایسا ہے، جس سے ملت کی زندگی اور بقا وابستہ ہے، آج اس کام سے غفلت کا نتیجہ ہے کہ اسلام مظلومیت سے دوچار ہے اور مسلم امت اہل کفر کے ہاتھوں پس رہی ہے، مشکلات کا پہاڑ ہے جس کے نیچے امت دبتی چلی جارہی ہے، اگر اعلاء کلمۃ الحق کے لئے امت کی طرف سے توانائیاں صرف ہوتیں تو اس سے ایک تو امت میں کردار کی بلندی پیدا ہوتی، وہ طاقتور اور مستحکم ہوتی، اہل کفر کو اسے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کی ہمت نہ ہوتی، دوسرے یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق سے انسانیت تک اسلام کی دعوت پہنچنے کی صورت پیدا ہوتی۔

اعلاء کلمۃ الحق یعنی (اسلام کو سر بلند کرنے) کی مختلف سطحیں ہیں، اس کی پہلی اور سب سے بڑی سطح یہ ہے کہ امت کے افراد کے پانچ فوٹ پر کلمہ حق جاری ہو، اور فرد کی اپنی شخصیت پر اسلام کا نفاذ ہو۔

یعنی جو تعلیمات فرد کی ذاتی زندگی سے متعلق ہیں، فرد و افراد، اسلام کی ان تعلیمات پر صدق دلی، اخلاص و استقامت سے عمل پیرا ہون ان کی ظاہری زندگی کے ساتھ باطن میں بھی پاکیزگی پیدا ہو۔

جب تک افراد میں ایمان و یقین کی حالت مستحکم نہیں ہوتی، فرائض و واجبات پر عمل پیرا ہونے میں چستی کا مظاہرہ نہیں ہوتا، کردار میں پاکیزگی اور بلندی پیدا نہیں ہوتی، ایک دوسرے کے ساتھ محبت، شفقت، نرمی اور رواداری پیدا نہیں ہوتی، اس وقت تک اعلاء کلمۃ الحق کا کام شروع نہیں ہو سکتا، اگر شروع ہو گا تو وہ چل نہیں سکے گا، نیز افراد میں ٹوٹ پھوٹ پیدا ہو گی۔



پانچ فوٹ کی شخصیت پر اسلامی شریعت کو نافذ کرنا اور شخصیت کی باطنی زندگی کو مہذب بنانا، سب سے اولین کام ہے، جو کرنے کا ہے، اور اس کام میں بیشتر توانائیاں صرف کرنے کی ضرورت ہے، ایسا کرنا در اصل فرعون نفس کو مطیع کرنا ہے، دوسری صورت میں یہ فرعون نفس اعلاء کلمۃ الحق کے نام پر بنی گئی اجتماعیت کو توڑ پھوڑ دے گا۔

اعلاء کلمۃ الحق کا دوسرا مرحلہ افراد معاشرہ کی اسلامی بنیادوں پر تعمیر کا کام ہے، معاشرہ کی تعمیر کے لئے طاقتور ایمان اور روحانی قوت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ فرد و افراد کسی نہ کسی حد تک ذاتی اصلاح کے لئے انفرادی سطح پر عبادت، ذکر و فکر اور اصلاح نفس کے لئے کچھ نہ کچھ وقت تو نکال سکتے ہیں، لیکن اسلامی خطوط پر معاشرہ کی تعمیر کے لئے ان کے لئے وقت نکالنا مشکل بلکہ سخت مشکل ہوتا ہے، اس کے لئے دعوتی تحرک، دعوتی جذبہ اور حمیت دین کی ضرورت ہے، اس لئے اصلاح نفس کے ساتھ ساتھ افراد معاشرہ میں دوسروں کو اللہ کا راستہ دکھانے اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے جذبہ، تحرک، حمیت اور اضطراب اور شعور پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

اگر معاشرہ میں اسلامی بنیادوں پر تعمیر کا کام نہ ہو گا یا برائے نام ہو گا تو اعلاء کلمۃ الحق (دین کو سر بلند کرنے) کے کام کا تیسرا مرحلہ شروع ہی نہیں ہو سکتا، تیسرا مرحلہ معاشرہ کے مؤثر اداروں، صحافت، میڈیا اور ریاست کے اداروں کو اسلام سے ہم آہنگ بنانے کا کام ہے۔

اس ترتیب کو پیش نظر رکھکر اگر اعلاء کلمۃ الحق کا کام شروع ہو، پہلے اور دوسرے مرحلہ کے کام کو جلد بازی سے کر کے، تیسرے مرحلہ کے کام کو ہاتھ میں لیا جائے تو اس کام کی ترتیب بدل جائے گی اور بنیاد کمزور ہو گی اور کمزور بنیادوں پر تعمیر اسلام کا کام نہیں ہو سکتا، اس طرح اعلاء کلمۃ الحق کا کام قیل و قال، بیان بازی اور حکمرانوں کو ہٹاتے رہنے کی کوششوں تک محدود رہ جائے گا۔

اعلاء کلمۃ الحق کا کام افراد کی ذاتی اصلاح اور تزکیہ سے شروع ہوتا ہے، جب افراد کا قابل ذکر حد تک تزکیہ ہو جاتا ہے، تو فرد و افراد کی جدوجہد کا رخ بدل جاتا ہے، اب معاشرہ کی اصلاح بنیادی ہدف کی حیثیت اختیار کرتی ہے اور اس کے لئے بہتر حکمت عملی تشکیل ہوتی ہے۔

ہمارے معاشرہ کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں اعلاء کلمۃ الحق کی تحریک کو مستحکم کرنے کا احساس اور جذبہ مفقود ہو گیا ہے، چنانچہ جو افراد جس شعبہ میں بھی اعلاء کلمۃ الحق کے لئے کام کر رہے ہیں، افراد ان کے کام کو اپنا کام سمجھنے یا ان کے ساتھ معاونت کرنے کے لئے تیار نہیں، اس لئے معاشرہ میں اعلاء کلمۃ الحق کی تحریک کو فروغ نہ مل سکا، جب کہ بدی کا ایک سیلاب ہے جو تیزی سے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے۔

اصلاح کے مراحل سے گذرنے والے افراد کے شعور کو متحرک کرنا پڑتا ہے، یہ نکتہ ان کے ذہن نشین کرنا پڑتا ہے کہ افراد معاشرہ کی اصلاح کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کئے بغیر اسلام کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور دعوتی محاذ پر کام نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں فساد سرایت کر جاتا ہے اور افراد معاشرہ میں ہر طرح کے بگاڑ اور ہر طرح کی بُرائیاں کو قبول کرنے کے استعداد پیدا ہو جاتی ہے، نیز وہ وقت آ جاتا ہے کہ بُرائیوں کا یہ سیلاب دیواریں عبور کر کے دینی درسگاہوں اور گھروں تک پہنچ جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ صحافت، میڈیا اور اجتماعی زندگی سے وابستہ ہر شعبہ میں کام کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

اعلاء کلمۃ الحق یعنی دین کی سربلندی کے کام کی یہی وہ حقیقی ترتیب ہے، جو سلف صالحین کا تسلسل رہی ہے، جس سے ہمارا معاشرہ صدیوں تک ہر طرح کے باطل اور ہر قسم کی بُرائیوں کا مقابلہ کرتا رہا اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہا۔



چودہ سو سال میں ہمیں پہلی مرتبہ یہ معرکہ درپیش ہے کہ اعلاء کلمۃ الحق کی تینوں سطحوں پر کام نہ ہونے کے برابر ہے، جس کی وجہ سے ہماری جدید نسلوں کا دین و ایمان شدید خطرہ سے دوچار ہے۔

یاد رکھیں کہ فاسد ماحول سے فاسد افراد ہی پیدا ہوں گے اور نیک افراد بھی فاسد ماحول کے اثرات کی زد میں آئے بغیر نہیں رہ سکیں گے، اس لئے ایک مرحلہ پر افراد معاشرہ کی اصلاح کا کام ہاتھ میں لینا ناگزیر ہے۔

# بندہ مؤمن کے ساتھ

## اللہ کی مدد کے قانون کا لاگو ہونا

بندہ مؤمن جب اپنی شخصیت اور اپنی مرضیات سے دستبردار ہو کر، اللہ کا ہو جاتا ہے، اور خدمت دین کے کاموں کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ کی نصرت و مدد کا قانون لاگو ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس کے کاموں میں برکت ہونا شروع ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ مشکلات سے بھی دوچار ہوتا ہے، بعض اوقات وہ ہر اعتبار سے تہی دامن ہوتا ہے، لیکن یہ مشکلات اور آزمائش اللہ کی ذات پر اس کے یقین کو مستحکم کرنے کے لئے ہوتی ہیں، جب وہ مشکلات و آزمائش برداشت کرنے کی صلاحیتوں کا حامل ہو جاتا ہے یعنی مشکلات کی بھٹیوں سے گذرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور وہ صبر و شکر کے مزاج کا حامل ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ برکت کا معاملہ شروع ہو جاتا ہے، اس کے وقت میں برکت، اس کے علم میں برکت، اس کے مال میں برکت، اس کے کاموں میں برکت، اس کی سرگرمیوں میں برکت، اس کی ذہانت میں برکت، اس کی گفتگو میں برکت اور اس کی نظر میں برکت شامل ہو جاتی ہے، یہ سب نتیجہ ہوتا ہے اللہ کے لئے فنائیت اور یکسو ہو جانے اور خدمت دین کے کاموں کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنانے کا۔

اس طرح کے خادم دین کے پاس دنیا کمانے کے لئے وقت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کا سارا وقت علمی کام، دعوتی کام اور دین کے دفاعی محاذ پر کام میں صرف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی معاشی ضروریات کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے اور اسے اس معاملہ میں دوسروں کی محتاجی سے بچالیتا ہے، داعی کی معاشی ضروریات ویسے بھی مختصر ہوتی ہیں، دو وقت کی روٹی، دو جوڑے کپڑے، ایک چارپائی، سواری کے لئے ہلکی پھلکی گاڑی۔

اس کا مزاجی سانچہ ایسا بن جاتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ چیزوں کو اپنی ضروریات کی فہرست میں شامل کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتا، وہ ذکر و فکر کے غیر معمولی مجاہدوں کے



ذریعہ اللہ کے جن انوار حسن کا مشاہدہ کر چکا ہوتا ہے، یہ انوار حسن اسے دنیا، سامان دنیا، آسائش دنیا اور نئی نئی چیزوں کو ضروریات زندگی میں شامل ہونے سے روکتی ہیں، نیز وہ زہد کے مزاج کا حامل ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث شریف ہے۔

جو شخص دنیا سے کٹ کر اللہ کے لئے خالص ہو جائے (یعنی اللہ سے یکسو ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت کے لئے کافی ثابت ہو جاتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے، جہاں اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ سے کٹ کر دنیا کا ہو جاتا ہے (یعنی دنیا کو مقصود بناتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔''

ایک دوسری حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم، تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جاؤ تو میں تمہارا سینہ دنیا کی بے نیازی سے بھر دوں گا اور تیرا فقر و فاقہ ختم کر دوں گا، اگر تم ایسا نہ کرو گے تو میں تمہاری دنیاوی مصروفیات کو بڑھا دوں گا اور تیری محتاجی کی حالت میں اضافہ کروں گا۔''

اللہ کی مدد اور نصرت کے اس قانون کو قرآن کی متعدد آیتوں میں بھی بیان فرمایا گیا ہے
''جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے کاموں میں آسانی پیدا کر دیتا ہے'' دوسری آیت کا ترجمہ ہے ''جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کو مشکلات سے نکالنے کے راستے پیدا کر دیتا ہے اور اس کی روزی کا انتظام ایسی جگہ سے کرتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔''

حقیقی داعی اور متقی شخص کی زندگی ہمارے لئے روشنی کی حیثیت رکھتی ہے، ہم قیمتی وقت کو مٹی کے ڈھیر جمع کرنے میں صرف کر کے، زندگی بھر حرص و ہوس کے بتوں کی پرستش میں مصروف رہتے ہیں، اس طرح ہم دنیا و آخرت میں اللہ کے عتاب کے خطرہ سے دوچار رہتے ہیں، ضرورت ہے کہ ہم متقی افراد کی صحبت اختیار کر کے، تقویٰ، دنیا سے زہد اور عبدیت کی راہ اختیار کریں، اس طرح ہم اللہ کی نصرت و مدد کے قانون کے، مستحق ہو سکتے ہیں، اور زہد کی زندگی ہمارے لئے محبوب تر بن سکتی ہے۔

# موجودہ دور میں اہل خانہ کے ساتھ

## معاملات میں حکمت کی ضرورت

موجودہ دور میں فرد وافراد کو داخلی طور پر جو چیلینجز درپیش ہیں، ان میں ایک بڑا چیلنج مزاج کے خلاف واقعات کو برداشت نہ کرنا، احساس اذیت اور احساس تلخی کا شکار ہونا ہے، چھوٹے چھوٹے واقعات پر مزاج سخت رنجیدہ ہو جاتا ہے، اس سے تلخیاں پیدا ہوتی ہیں اور تلخیوں سے رد عمل کی نفسیات جنم لیتی ہے اور وہ پختہ ہوتی ہے۔

داخلی نوعیت کے اس چیلنج سے عہدہ بر آہونے کے لئے ضروری ہے کہ فرد صبر وشکر، ہمت اور وحوصلہ سے کام لے، اہل خانہ اور دوست واحباب کی الٹی سیدھی باتوں کے جواب میں خاموشی اختیار کرے اور صبر سے کام لے۔

موجودہ دور ہماری نوعمری کے دور سے جوہری طور پر مختلف ہے، جدید نسل میں ادب وآداب کا نظام ختم ہو گیا ہے، بڑوں کی عزت وتکریم باقی نہیں رہی، مادی حسن پر فریفتگی نے نوجوان نسل کو دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے، ان حالات میں بچوں اور اہل خانہ کے ساتھ روزانہ آپ کا سخت اور تلخ جملوں کا تکرار آپ کے گھر کو آگ کے دہانے پر لا کھڑا کر سکتا ہے، اس لئے صبر، تحمل، برداشت اور حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

بچوں اور اہل خانہ کی جو عادت آپ کو پسند نہیں، اول تو اس پر خاموش رہیں، اگر اس کی نشاندہی بھی کریں تو ایک دو بار بات کر کے معاملہ کو ختم کر دیں، روزمرہ زندگی میں اہل خانہ اور نوعمر بچوں سے آپ کی کھٹ پھٹ آپ کو دوطرفہ نقصان پہنچا سکتی ہے، ایک تو اس اعتبار سے کہ آپ کی نفسیات میں فساد برپا ہونا شروع ہو گا، آپ غصہ سے بے قابو ہو کر یاسیت



(مایوسی) کا شکار ہو جائیں گے دوم یہ کہ اس سے اہل خانہ اور نوعمر لڑکوں میں ضد اور رد عمل کی نفسیات پختہ ہونا شروع ہو گی، اور نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے دل میں آپ کے لئے کدورت اور رنجیدگی پیدا ہو گی، اس کدورت سے ان کو مزید نقصان یہ ہو گا کہ ان کی زندگی خیر وبرکت سے محروم ہوتی جائے گی۔

دور جدید میں اہل خانہ کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے حکمت اور فراست کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے، حکمت اور فراست کا مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں تلخی وتندی نہ ہو، بلکہ محبت آمیزی شامل ہو، اگر توجہ دلانی مقصود ہو تو اس کے لئے مناسب موقعہ ومحل کا انتظار کیجئے۔

سب سے اہم بات یہ کہ گھر میں آپ کا اپنا کردار ایسا ہو، جو پاکیزہ اور بہتر ہو، نماز اور ورد وظائف آپ کے معمولات میں شامل ہوں، گھر والوں کی بیماری اور دکھ وغم میں آپ ان کے برابر شریک ہوں، اس طرح شریک ہوں کہ گویا یہ بیماری آپ کو خود لاحق ہو گئی ہو، عزیز واقارب کے ساتھ نرمی ومحبت وشفقت آپ کے معمولات میں شامل ہو، بلکہ یہ چیزیں آپ کے مزاج کا حصہ ہوں، آپ کا اس طرح کا کردار ہی آپ کے پورے گھر پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

یہ نکتہ سمجھنا از حد ضروری ہے کہ مزاج کی تلخی ایک بیماری نہیں، بلکہ بہت ساری بیماریوں کا مجموعہ ہے، مزاج کی تلخی سے تشدد جنم لیتا ہے، تشدد سے گھروں، دوستوں اور عزیز واقارب میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی ہے۔

مزاج کی سختی دراصل فرعون نفس کا سب سے طاقتور حربہ ہے، جس سے وہ گھروں میں فساد برپا کرتا ہے، بچوں کے مزاج میں زہر گھول دیتا ہے اور دوستوں میں جدائی کا سبب بنتا ہے، اس لئے مزاج کی خرابی کو بڑی بیماری سمجھکر، اس کے علاج کی فکر کرنا از حد ضروری ہے۔

اس کے علاج کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ اخلاق حسنہ کے حامل افراد کی صحبت اختیار کی جائے، اس سے ان کے دلوں میں موجود طاقتور مثبت شعائیں نکل کر رفتہ رفتہ آپ کے دل میں منتقل ہوتی رہیں گی، اس طرح آپ بتدریج نرمی، صبر، تحمل، بُردباری اور فراست کی صلاحیتوں کے حامل ہوتے جائیں گے، ہمارے معاشرہ میں صدیوں سے افراد میں اوصاف رذیلہ کو نکال کر اوصاف حمیدہ پیدا کرنے کی یہی صورت موجود رہی ہے، موجودہ دور چونکہ عقلیت کا دور ہے، لگ بھگ ہر فرد اپنے آپ کو عقل کل سمجھتا ہے، اس لئے وہ روحانی استاد کو حیثیت دینے، اس سے استفادہ کرنے اور اس کی صحبت اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اس کی سزا یہ ہے کہ ہمارا انفرادی اور اجتماعی سارا نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، خدارا اپنی اپنے اہل خانہ اور دوست واحباب کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے مزاج کی سختی اور اخلاق رذیلہ سے نجات کے لئے اپنے اسلاف کے طریقہ کو اپنائیں۔



# رحمٰن کے بندے اور دولت ودرہم کے بندے

## (دونوں کی جداگانہ خصوصیات کا حامل ہونا)

ایک حدیث شریف ہے۔"الدنیا ملعون الا بذکر الله"(دنیا ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے)۔

دوسری حدیث شریف میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دولت اور درہم کا بندہ گرے اور نہ اٹھے۔

یہ دونوں حدیثیں ایسی ہیں، جو ہمیں بیدار کر کے، ہماری زندگی کے رخ کو پاکیزہ بنیادوں پر استوار کر سکتی ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں دو قسم کے بندے ہوتے ہیں، ایک رحمٰن کے بندے، دوسرے دولت ودرہم کے بندے، نیز رحمٰن کے بندوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ملعون دنیا سے محبت کرنے کی بجائے رحمٰن کے ذکر کی حلاوت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ذکر ہی ایسی چیز ہے جو دنیا کی ملعونیت کے اثرات کو کم کر کے ان اثرات کو ختم کر سکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ مالدار اللہ کی خداوندی (کی حدود میں) داخل نہیں ہو سکتا، لیکن ذکر کو وظیفہ حیات بنانے سے فرد وافراد میں رفتہ رفتہ یہ صلاحیت ابھرتی ہے کہ وہ دولت ودرہم کی بندگی سے اوپر اٹھکر پوری طرح اللہ کی عبدیت میں شامل ہو سکتے ہیں۔

رحمٰن کا بندہ ذکر کے ذریعہ رحمٰن سے قریب ہوتا ہے، جب کہ دولت ودرہم کا بندہ ذکر سے محرومی کے ذریعہ دولت ودنیا میں مستغرق ہوتا ہے اور اس پر فریفتہ ہوتا ہے۔

رحمٰن کا بندہ ذکر کے نور کے ذریعہ ترقی کرکے، اللہ سے مکمل وفاداری کے رشتہ میں منسلک ہوجاتا ہے۔ جب کہ دولت ودرہم کا بندہ ہر وقت دولت بڑھاتے رہنے اور دنیا کی فکر میں اتنا مستغرق ہوجاتا ہے کہ دنیا ہی اس کا مقصود ومعبود بن جاتی ہے۔

رحمٰن کا بندہ، اللہ کے بندوں سے اللہ کی خاطر محبت کرتا ہے اور ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرتا ہے، جب کہ دولت ودرہم کا بندہ اللہ کی مخلوق کو حقیر سمجھتا ہے اور ان کے اور اپنے درمیان فاصلہ اور حجابات کو بڑھاتا ہے۔

رحمٰن کا بندہ چاہے وہ غریب ہی کیوں نہ ہو، وہ سکون کی حالت میں رہتا ہے، ذکر میں مداومت کے ذریعہ وہ دنیا کے حوالے سے تفکرات سے بچا رہتا ہے، وہ ہر طرح کی نفسیاتی اور ذہنی بیماریوں سے محفوظ ہوتا ہے، وہ اللہ کی معیت میں رہتا ہے، ذکر کا نور اس کے دل کو آباد، شاداب اور منور کرتا رہتا ہے، جب کہ دولت ودرہم کا بندہ سخت فکری انتشار کا شکار رہتا ہے، دولت کی حرص اسے شدید قلبی اضطراب میں مبتلا کرتی ہے، وہ حالتِ ظلمات، اشتعال جھنجھلاہٹ اور دولت میں اضافہ کرنے کی فکر سے سرشار رہتا ہے۔

رحمٰن کا بندہ ذکر وفکر اور عبادت کے ذریعہ اخلاق حسنہ کا حامل ہوکر معاشرہ کے لئے ہر اعتبار سے باعث خیر وبرکت کا باعث بنتا ہے، وہ باطن سے محبت کی شعائیں بکھیرتا رہتا ہے، اخلاق کی خوشبو پھیلاتا رہتا ہے، جب کہ دولت ودرہم کا بندہ اخلاق رزیلہ سے معاشرہ میں خلفشار اور عدم استحکام پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور باطن میں موجود منفی شعاؤں کے ذریعہ ظلمات کو پھیلانے کا باعث بنتا ہے۔



رحمٰن کا بندہ ذکر کے غلبہ کی وجہ سے آخرت میں اللہ کے سامنے جواب دہی کے احساس سے لرزاں وترساں رہتا ہے، اور یہ فکر اس کی شخصیت کا پوری طرح احاطہ کرلیتی ہے، وہ خوف اور امید کی درمیانی حالت میں رہتا ہے۔

جب کہ دولت ودرہم کا بندہ آخرت کی فکر سے محروم ہوکر، اس دنیا میں مٹی کا ڈھیر جمع کرنے کی فکر میں غلطاں رہتا ہے، اس طرح وہ آخرت کی ابدی زندگی میں اللہ کے شدید عتاب کے خطرے سے دوچار ہوتا ہے۔

رحمٰن کے بندہ کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ خیر اور شر کی کشمکش میں غیر جانبدار نہیں ہوتا، بلکہ خیر کو فروغ دینے کے سلسلہ میں وہ اپنے حصہ کا بھرپور کردار ادا کرتا ہے، اس سلسلہ میں وہ حمیت دین کا مظاہرہ کرتا ہے، جب کہ درہم کا بندہ اس معاملہ میں نہ صرف غیر جانبدار ہوتا ہے، بلکہ اس کی قوت شر کو فروغ دینے میں صرف ہوتی ہے، اس لئے کہ اس کی شر کی جبلت طاقتور ہوتی ہے۔

رحمٰن کے بندہ کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا کو اتنی اہمیت اور وقت دیتا ہے، جس سے وہ دوسروں کی محتاجی سے بچ سکے اور اس کی بنیادی ضروریات پوری ہوسکیں، دنیا کے لئے اس کے پاس اس سے زیادہ وقت نہیں ہوتا، اس لئے کہ اسے آخرت کی ابدالاباد والی زندگی کی فکرمندی ایسا کرنے نہیں دیتی، جب کہ دولت ودرہم کے بندہ کی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں دولت کے حصول کی جدوجہد میں ہی صرف ہوتی ہیں اور متوقع آمدنی سے معمولی کمی بھی اسے اضطراب اور بے قراری سے سرشار کردیتی ہے۔

ہر بندہ مؤمن اللہ سے محبت رکھتا ہے، اس لئے کہ ایمان کا تقاضہ محبت کی صورت میں ہی ظاہر ہوتا ہے، لیکن کمزور ایمان کی وجہ سے محبت طاقتور صورت میں ظاہر نہیں ہوتی، طاقتور ایمان کا نتیجہ طاقتور محبت ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے ایمان کی نشاندہی فرمائی ہے۔

**حبیب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم** اس نے (اللہ نے) تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا اور تمہارے دل کو اس سے مزین کردیا)۔

ایمان جب طاقتور ہوتا ہے تو اس سے محبت کی طاقتور صورت ظاہر ہوتی ہے، یہی محبت بندہ مؤمن کو ساری غلامیوں سے آزادی دلا کر اللہ کی غلامی میں لاتی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں ایمان کی سادہ حالت تو موجود ہے، لیکن محبت کے ارتقائی مراحل طے کر کے، اسے طاقتور صورت دینے کا انتظام واہتمام موجود نہیں ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہماری انفرادی واجتماعی زندگی میں پاکیزہ کردار اور ایک دوسرے سے شفقت ومحبت کے جذبات معدوم ہیں۔

افراد دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتے یا تو اللہ کی محبت کے زیر اثر پاکیزہ کردار کے حامل ہوتے جائیں گے یا پھر رسمی ایمان اور محبت کی رسمی دعویٰ سے آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔

ایمان کی رسمی حالت بھی اگرچہ غنیمت ہے، لیکن اس سے ایک دوسرے سے محبت کرنے اور پاکیزہ کردار کا حامل معاشرہ وجود میں نہیں آتا۔

رحمٰن کے بندے اور دولت ودرہم کے بندے دونوں کا تقابلی مطالعہ سامنے آگیا، اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم فیصلہ کریں کہ ہمیں رحمٰن کے بندہ کی حیثیت سے زندگی گزار کر پاکیزہ صفات کا حامل بننا ہے اور ان خصوصیات کے حامل ہونے کی حیثیت سے اللہ کے سامنے پیش



ہونا ہے یا دولت ودرہم کے بندہ کی حیثیت سے زندگی گزار کر، دنیا میں قلبی سکون سے محرومی اور آخرت میں اللہ کے عتاب سے دوچار ہونا ہے، اللہ نے انسان کی فطرت میں خیر اور شر کے دونوں تقاضے رکھ دیئے ہیں، اس لئے فرد وافراد دونوں میں سے جو راستہ بھی اختیار کرنا چاہے، اختیار کرسکتا ہے۔

# معاشرہ میں بڑھتی ہوئی غربت کی فضا

ایک حدیث شریف ہے کہ جو شخص تھوڑی روزی پر راضی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے تھوڑے اعمال پر راضی رہتا ہے۔

یہ حدیث شریف ایسی ہے، جو ہمارے لئے بہت زیادہ خوشخبری کی حیثیت رکھتی ہے، آج ہمارے معاشرہ کی اکثریت کے پاس وسائل زندگی نہ ہونے کے برابر ہیں، لوگ روزمرہ زندگی کی بنیادی ضروریات کے لئے سخت پریشان ہیں، ایک طبقہ ایسا ہے، جس کے پاس بے پناہ وسائل موجود ہیں، اتنے زیادہ وسائل کہ تصور سے زیادہ۔ دوسرا طبقہ جسے متوسط طبقہ کہہ سکتے ہیں، اس کے پاس بھی کچھ نہ کچھ وسائل موجود ہیں، اتنے وسائل جس سے وہ دوسروں کی محتاجی کے بغیر زندگی گزار سکتے ہیں۔

البتہ عام لوگوں کی معاشی حالت انتہائی زبوں ہے، وہ روٹی تک کے محتاج ہوگئے ہیں، علاج ومعالجہ کے لئے بھی ان کے پاس وسائل موجود نہیں ہیں۔ اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہماری ریاست کے نظام کی تشکیل سرمایہ دارانہ بنیادوں پر ہوئی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں غریب غریب تر ہوجاتا ہے، مالدار مالدار تر۔ اس نظام کی دوسری خرابی یہ ہے کہ سادہ طرز زندگی جو ہمارا صدیوں سے شعار رہا ہے، اس کا خاتمہ ہوگیا ہے، تیسرا سبب یہ ہے کہ مالدار، دولت کے بارے میں حرص وہوس کا شکار ہوجاتے ہیں اور دولت جمع کرنا اور زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کی جدوجہد ان کا مقصد زندگی ہوجاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ قساوت قلبی اور سنگ دلی کا شکار ہوجاتے ہیں، غریبوں کی مدد کرنا اور ان کی روٹی کے مسئلہ کو حل کرنے کے سلسلہ میں وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے ادراک سے محروم ہوجاتے ہیں۔



ان حالات میں عام لوگوں کے لئے ایک راہ تو یہ ہے کہ وہ روزی کے لئے جدوجہد کرنے کے باوجود اگر برائے نام وسائل میسر ہوتے ہیں تو وہ اس پر صبر سے کام لیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث کو پیش نظر رکھیں، دوسری بات جو کرنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ سے مانگتے رہنے کا مزاج پیدا ہونا چاہئے، حدیث شریف ہے کہ اگر تمہاری جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اس کو درست کرنے کے سلسلہ میں اللہ سے مانگو، دوسری حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ بندے اپنے کاموں اور ضروریات کے سلسلہ میں اللہ سے مانگیں، نہ مانگنے پر اللہ ناراض ہوتے ہیں۔

تقویٰ اور اعمال صالحہ کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے روزی میں برکت کا وعدہ بھی ہے، اس وعدہ کو پیش نظر رکھکر عام افراد کو اللہ کی طرف رجوع ہونے میں پیش قدمی اختیار کرنی چاہئے، ہمارا ایک دور تو وہ تھا کہ مالدار غریبوں کو ان کی حالت زار پر رہنے دینے کی بجائے دل کھول کر ان کی مدد کرتے تھے، اور اسے وہ اپنی ذمہ داریوں میں شمار کرتے تھے، اب جو دور آیا ہے، وہ یہ ہے کہ مالدار، دولت پر فریفتگی اور اس پر جنوں کی وجہ سے اپنے غریب بھائیوں ور عزیز واقارب کی مختصر سی جائداد بھی چھیننے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

دولت سے جنوں کی حد تک محبت اور دولت کی خاطر حقوق پامال کرنا، دولت کے نتیجہ میں قلبی قساوت اور سنگ دلی کا پیدا ہونا، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو مسلم معاشرہ کے مزاج کے خلاف ہیں، مسلم معاشرہ تو اللہ ورسول سے محبت کی وجہ سے دولت کی محبت اور اس کے مظاہر سے خالی ہوتا ہے، اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگوں میں سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو دنیا کی (محبت) سے دستبردار ہونے میں سبقت کرنے والا ہو۔

# دو قسم کی محبتیں اور ان کے اثرات و نتائج

فرد دنیا میں دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ اللہ کی محبت سے فیضیاب ہوتا ہے یا پھر اس پر دولت و دنیا کی محبت غالب ہوتی ہے، اللہ کی محبت میں چلنے والا فرد اس محبت میں مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آتا ہے کہ اللہ بندہ مؤمن کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے، اللہ اس کے پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے، (یہ حدیث شریف ہے) یہ مقام ایسا ہے، جو اللہ کی محبت میں مستقلا چلتے رہنے کے نتیجہ میں کافی عرصہ کے بعد کہیں جا کر فضل خاص حاصل ہوتا ہے۔

اللہ کی محبت، زندگی میں برقی رو لہر دوڑا دیتی ہے، جس سے فرد نفس جیسے پہاڑ کو طے کرنے کے لئے حوصلہ اور ہمت سے چلتا رہتا ہے اور اس کا درد عشق تیز سے تیز تر ہونے لگتا ہے۔

اللہ کی محبت شخصیت کو معنویت اور حقیقی جوہر سے بھر دیتی ہے، جس سے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ میں آسانی ہوتی ہے۔

اللہ کی محبت فرد کو معنوی اور حقیقی حسن سے آشنا کر کے، اس حسن سے فیضیاب کرتی ہے، جس سے فرد کے لئے مادی حسن اور دولت و دنیا کی محبت سے دستبردار ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ کی محبت اللہ کے بندوں سے بے غرضانہ محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

فرد و افراد کی یہ خاصیت ہے کہ وہ یا تو اللہ کی محبت میں ترقی پر ترقی حاصل کرنے کی راہ پر گامزن ہوں گے یا پھر وہ دنیا و دولت کی فکر اور اس کی محبت کے اسیر ہوتے جائیں گے، دولت اور دنیا کی محبت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ فرد و افراد اللہ کی محبت سے دور سے دور تر



ہوتے جاتے ہیں، وہ کردار کے بحران کا شکار ہوتے ہیں، اور کارگاہ حیات میں ایک دوسرے کے کام آنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اس طرح دنیا کی محبت معاشرہ کو ہمہ گیر فساد سے دوچار کر دیتی ہے، اور اس فساد سے بچنے کے لئے ہونے والی ساری کوششیں ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں، اس لئے کہ درد عشق میں چلے بغیر فرد و افراد کی شخصیت میں موجود جراثیمی اثرات سے بچاؤ کی صورتیں مسدود (بند) ہو جاتی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دولت و دنیا جس گروہ میں بھی آئے گی اللہ تعالیٰ ان کے درمیاں دشمنی اور بغض پیدا کر دے گا، جس قدر دنیا کی محبت کم ہو گی، اسی قدر عداوت بھی کم ہو گی۔

یہ حدیث شریف دولت کی محبت کی خرابیوں کو واضح کرتی ہے کہ اس محبت سے آپس میں دشمنی اور بغض اور نفرت و کدورت پیدا ہو گی، اس طرح معاشرہ فساد سے دوچار ہو گا۔

اس لئے کرنے کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ افراد معاشرہ کی تربیت میں اللہ کی محبت کے نصب العینی تقاضے کو پوری طرح شامل کیا جائے اور اللہ کے بندوں کو اس کی محبت کی راہ پر لگانے کی کاوشیں کی جائیں، اسی سے افراد معاشرہ میں راحت سکون، امن، خوشی، محبت اور ایک دوسرے کی معاونت اور دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے کا تقاضا پیدا ہو گا۔

# فرقیواریت سے بچاؤ کی ضرورت

## اور اس کی صورت

ایک فاضل شخصیت کا کہنا ہے کہ ہمارے مذہبی طبقہ میں اختلاف کو اختلاف کی حد تک رکھنے کا معاملہ ہی ختم ہو گیا ہے، فرقیواریت کے بارے میں موصوف کا کہنا ہے کہ اس کا بنیادی سبب مدارس میں علمائے سلف کے مزاج کے مطابق تربیت کا فقدان ہے، مذہبی طبقہ میں فروعی مسائل کے غلبہ کا سبب بھی صحیح تربیت کی کمی ہے۔

دینی اور مذہبی شخصیتیں ہمارے لئے سرمایہ سے کم نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے معاشرہ میں تھوڑی بہت دینداری قائم ہے، تاہم معاشرہ میں بڑھتی ہوئی فرقیواریت اور علمی جمود المیہ سے کم نہیں ہے، ممتاز فاضل شخصیت نے اس کی بہتر نشاندہی فرمائی ہے کہ اس کا بنیادی سبب سلف کے مطابق تربیت کی کمی ہے۔

تربیت کی کمی ایسی چیز ہے، جس سے شخصیت میں غیر معمولی خلا پیدا ہو جاتا ہے، اس خلا کو محض علم، مطالعہ اور ذہانت پُر نہیں کر سکتی۔

تربیت سے ہماری مراد تزکیہ کے ماحول کا ہونا ہے، مدارس میں اگرچہ متقی اور مربی اساتذہ بھی ہوتے ہیں، لیکن طلبہ میں تربیت و تزکیہ کا ذوق نہ ہونے اور محض تدریسی کتابوں کے مزاج ہونے کی وجہ سے متقی اور مربی اساتذہ سے فیض حاصل کرنے اور اپنی شخصیت کو مانجھکر، اوصاف حمیدہ کا حامل بنانے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

تربیت اور تزکیہ کے بغیر نہ صرف یہ کہ مخلص داعی پیدا نہیں ہو سکتے، بلکہ معرفت نفس (نفس کی وسیع دنیا سے آشنا افراد) بھی پیدا ہونا دشوار ہے۔



معرفت نفس کی استعداد نہ ہونے کی وجہ سے اگر علم وذہانت سے فرقیواریت کو تقویت ملتی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

علماء کا طبقہ دین کا امین اور اس کا وارث ہے، علماء سے معاشرہ میں محبت اور رواداری کو فروغ ملنا چاہئے، علماء کو امت پن کے رشتہ کو مستحکم کرنے کا ذریعہ ہونا چاہئے، علماء کی طرف سے فروعی اختلافی مسائل کی بجائے دین کے بنیادی مسائل کے بارے میں لوگوں کی رہنمائی کرنی چاہئے، اور فروعی اختلافی مسائل کو ایک دائرہ سے آگے نہیں لانا چاہئے اور عوامی سطح پر تو ان مسائل کو اٹھانے سے آخری حد تک پرہیز کرنا ضروری ہے۔

ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ مدارس میں جہاں تدریسی نوعیت کی کتابوں کے ساتھ ذہنی تربیت ضروری ہے، وہاں تصوف کے علمی و عملی سلسلہ کا شروع ہونا بھی ناگزیر ہے، اس کے بغیر فرقیواریت سے بلند ہو کر، اہل علم کا دستیاب ہونا دشوار ہوگا۔

اس وقت جب کہ عالمی کفر کا مفاد اس بات سے وابستہ ہے کہ ہمارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو اور اس میں فرقیواریت، انتہا پسندی اور تشدد کو فروغ حاصل ہو، مسلم معاشرہ میں اس طرح کی فضا کو فروغ دینا، عالمی کفر کی عرصہ سے چاہت ہے، ایسے حالات میں ضروری ہے کہ طبقہ علماء وقت کے چیلنج کو سمجھیں، نیز وہ اپنی تربیت کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی تربیت کے لئے بھی بہتر کردار ادا فرمائیں۔

ہم جیسا فرد جس کی حیثیت طبقہ علماء کے خادم سے زیادہ نہیں ہے، اگرچہ اس کی طرف سے علم دین کے ممتاز مقام پر فائز شخصیتوں کی خدمت میں اس طرح کی معروضات پیش کرنا، مناسب و موزون نہیں ہے، لیکن چونکہ عالمی حالات کے تناظر اور معاشرہ کی زبوں حالی کے پیش نظر اس کی ضرورت ہے، اس لئے یہ جسارت کی گئی ہے، امید ہے کہ دردمندی سے کی گئی ان معروضات پر غور و فکر کیا جائے گا۔

# افراد معاشرہ کے ایک اہم
## مرض کی نشاندہی

تحمل اور برداشت بہت بڑی صفت ہے، جس سے شخصیت میں دیگر خوبیاں بھی پیدا ہوتی ہیں، اور تحمل اور بردباری ہی ہے، جس سے اس وقت ہمارا معاشرہ بڑی حد تک محروم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کوئی تمہارے چہرے پر اگر ایک تھپڑ مارتا ہے تو تم اپنا دوسرا چہرہ بھی اس کے سامنے کردو، حضرت نظام الدین اولیاء کا ملفوظ ہے کہ صوفی کی جان ومال مباح ہوتی ہے، یعنی جو شخص صوفی کی جان ومال کو نقصان پہنچاتا ہے، صوفی اسے دل سے معاف کرتا ہے، اس لئے کہ اس کا دل پاکیزگی سے سرشار ہوتا ہے، اس کے دل میں نفرت، کدورت، اور جذبہ انتقام موجود نہیں ہوتا۔

تصوف میں فنا کا مقام ایسا ہے، جہاں صوفی نفسی جذبات سے بڑی حد تک بلند ہوجاتا ہے، تاہم بہرحال فنا کے حامل صوفی کا نفس بھی زندہ ہوتا ہے، وہ مرتا نہیں ہے، البتہ فنا کے بعد کی جو حالت ہے، جس میں صاحب فنا شخص مزید مجاہدوں سے کام لیتا ہے، اس حالت کو فناء الفنا کہتے ہیں، فناء الفنا کے حامل صوفی کی عام طور پر وہ حالت ہوجاتی ہے، جس کا ذکر حضرت نظام الدین اولیاء کی ملفوظ میں ہے، آج افراد معاشرہ میں تحمل، بردباری اور برداشت کے مادہ کے ختم ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم مادہ پرستی پر مبنی فکر اور تہذیب سے متاثر ہو کر، عقل اور عقلیت سے مسحور ہوگئے ہیں، عقل سے بلند ہو کر ہم دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں، دل جو انوار الٰہی کا مرکز ہے، ہمارا دل انوار الٰہی سے خالی ہے، اس خالی



دل پر نفس کے دیو نے قبضہ کرلیا ہے، چونکہ دل کے انوار سے محرومی کی فضا عام ہے، اس لئے عدم برداشت اور غصہ کے شیطان نے ہمیں گھیر لیا ہے۔

ہمارے گھروں میں جھگڑے عام ہیں، دوستوں میں نااتفاقیاں اور دوری کی فضا بڑھ گئی ہے، ہمارے مذہبی طبقہ میں فرقہ واریت کی فضا موجود ہے، ہمارے اہل سیاست میں تصادم ہی تصادم ہے، اور نہیں تو ایک دوسرے کے خلاف اخباری بیانات کی بھرمار ہے، غرض کہ ہر جگہ عدم برداشت اور ایک دوسرے کو چیلنج دیتے رہنا اور تلخیاں عام ہیں۔

افراد میں قوت برداشت کا پیدا ہونا، ان کے لئے خود نفسیاتی بہتری کے لئے بھی ضروری ہے تو ساتھ ساتھ معاشرہ کے مستحکم ہونے کے لئے بھی ناگزیر ہے، اس کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ہم اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں، محبت سے ان کی صحبت اختیار کرنے سے قوت برداشت کے کچھ اجزاء ان کے دل سے نکل کر، ہمارے دل میں داخل ہوں گے۔ اس طرح ہم اپنی ذات، اپنے اہل خانہ اور معاشرہ کے لئے بہتر ثابت ہوں گے۔

اگر ہماری پیش کردہ یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی تو تجزیہ کے طور پر ایسا کرلیں، انشاء اللہ یہ تجزیہ آپ کے لئے حیرت انگیز طور پر خوشی ومسرت کا باعث ثابت ہوگا، لیکن اعتراض کی نفسیات سے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا، عاجزی اور محبت کا ہونا ضروری ہے۔

عاجزی، اور محبت دو بڑے جوہر ہیں، ان دو جوہروں کے ساتھ جب صحبت اہل اللہ حاصل ہوتی ہے تو فرد وافراد کے لئے یہ زندگی حیرت انگیز طور پر نئی زندگی کا باعث بنتی ہے، اہل اللہ کی صحبت اختیار کرتے رہنا، یہ ہمارا پورا تسلسل ہے، امت اسی تسلسل پر گامزن رہی ہے۔

# سچی روحانیت اور روحانی زندگی کی خصوصیات

جب سچی روحانی زندگی نصیب ہوتی ہے تو دولت پر چھینا جھپٹی کا میلان باقی نہیں رہتا، جائز ذرائع سے جو دولت حاصل ہوتی ہے، فرد اس پر قناعت کے ساتھ زندگی گذارنے کے سلیقہ سے آشنا ہو جاتا ہے، سچی روحانیت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دولت کی وہ اہمیت باقی نہیں رہتی کہ اس کے نہ ہونے سے زندگی تاریک اور مستقبل ہولناک نظر آنے لگے، اس لئے کہ روحانی نوعیت کے انوار فرد کے دل سے دولت کی ہیبت، اس کا رعب اور اس کی خوف زدگی کو مدھم کر دیتے ہیں۔

سچی روحانیت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وقت کی قدر و قیمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے کہ اصل سرمایہ وقت ہی محسوس ہوتا ہے کہ وقت کے اس سرمایہ سے اللہ کی محبت کے ارتقائی مراحلہ طے کئے جائیں اور ابدالاباد والی زندگی کی تیاری کی کاوشیں کی جائیں، اور نفس کے تزکیہ (پاکیزگی) کے لئے مجاہدوں سے کام لیا جائے، سچی روحانیت فرد کو دولت یعنی مٹی کے ڈھیر جمع کرنے سے روکنے کا مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

سچی روحانیت کا حامل فرد مادیت پرستی کے موجودہ ہولناک منظر کو اللہ کے سب سے بڑے عتاب کی صورت سمجھتا ہے کہ انسانیت کے اعمال بد پر ناراضگی کی وجہ سے اللہ نے اس سے اپنی سچی روحانیت کی شدبد ہی سلب کر دی ہے اور اس طرف آنے کے راستے مسدود کر دیئے ہیں۔

سچی روحانیت کے حامل فرد کی نظر میں انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اسے محبوب حقیقی کی محبت سے آشنا کیا جائے تاکہ وہ بے شمار بتوں کی پرستش اور ان کی غلامی سے آزاد ہو سکے۔ اور عبدیت یعنی بندگی کی حقیقی لذت سے آشنا ہو سکے۔



# وسوسوں کا نافع ہونا، نہ کہ نقصاندہ ہونا

جب تک نفس کی قوت، طاقتور صورت میں موجود ہے، اس وقت تک وہ فرد کی توجہ کو بھٹکاتی رہے گی۔ لیکن اس سے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ نفس پرستی کی ہمہ گیر وہمہ جہتی قوتوں سے بچنے کی راہ ہی یہی ہے کہ دوران سلوک نفس کی یہ ساری قوتیں اندر میں ڈیرہ جمانے کی بجائے باہر نکلیں، ان قوتوں کے باہر نکلنے سے ہی نفس کا جنگل صاف ہوگا اور فرد اپنا تزکیہ کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوگا، اس کے بعد ہی دل میں اللہ کے انوار سمانے کی استعداد پیدا ہوگی۔

طالب اگر نفس پرستی کی قوتوں کی طرف سے پیدا کردہ وسوسوں کے مواقع پر اس نکتہ کا استحضار کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ اس کے یہ وسوسے اس کے لئے نافع ہیں، نہ کہ نقصاندہ۔

یقیناً بظاہر وسوسے تشویش کا موجب بنتے ہیں، اس سے ذکر میں یکسانیت بھی متاثر ہوتی ہے۔ اور وسوسوں سے ٹکراؤ میں وقت بھی صرف ہوتا ہے۔ لیکن نفس کی ساخت اور اس کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ اس سے طالب کے لئے خوفناک معرکہ آرائی کئے بغیر چارہ کار نہیں، تزکیہ نفس کی راہ میں طالب کو نفس کی سینکڑوں نوعیت کی رکاوٹوں سے واسطہ پڑتا ہے، جو طالب ہمت اور حوصلہ سے ان رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے، وہی طالب ہے، جو ایک دن نفس کو مفتوح کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

نفس کو مہذب بنانا اور اسے تزکیہ (پاکیزگی) کے مراحل سے گذارنا، دین کے نصب العینی کاموں میں شامل ہے، انسان کی ساری انسانیت اسی سے وابستہ ہے، تقویٰ، خشیت، اخلاص، للہیت، اخلاق حسنہ وغیرہ سارے کاموں کا تعلق تزکیہ (نفس کی پاکیزگی) سے ہے، اگر اتنے اہم کام کے لئے چند سال تک وقت اور توانائیوں کا کچھ حصہ صرف ہو اور اس سے قابل ذکر حد تک تزکیہ ہو جائے تو بہت سستا سودہ ہے۔

# سلف صالحین کی اسلامی فکر پر عدم اعتماد کے اثرات ونتائج

موجودہ دور میں جدیدیت کی فضا میں پروان چڑھنے والی علمی شخصیتوں میں سلف صالحین کے دینی فہم اور ان کی علمی واجتہادی صلاحیتوں پر اعتماد بُری طرح مجروح ہوا ہے، جو اس دور کے بڑے المیوں میں سے ہے۔

سلف صالحین جو چودہ سو سال کے ہمارے تہذیبی اور علمی ورثہ کے امین ووارث ہیں، جن کی محنتوں وکاوشوں سے ہم تک دین کا تسلسل پہنچا ہے، اگر ان پر ہی اعتماد ختم ہو جائے تو پھر ہمارے پاس رہتا ہی کیا ہے؟

علم، تحقیق، اجتہاد اور اسلام کی تشکیل جدید اور نئے اسلوب میں اسلام کی پیشکش کے نام پر سلف صالحین کے قرآن وسنت سے ماخوذ علوم سے صرف نظر کرنا، اسے اہمیت نہ دینا، ان سے استفادہ نہ کرنا اور ان کے مقابلے میں اپنی تحقیق اور اپنے اسلامی فہم کو حرف آخر سمجھنا، یہ بہت سارے فتنوں کا موجب ثابت ہوتا ہے، مثلاً اس سے اسلام کا نصب العین اور فرائض وواجبات کا نظام تبدیل ہو جاتا ہے، جس سے تزکیہ نفس اور تہذیب نفس کے کام کی فیصلہ کن اہمیت باقی نہیں رہتی اور تزکیہ نفس کے بغیر سارے علوم، ساری تحقیق اور سارا اجتہاد بے روح وبے جان ثابت ہوتا ہے۔

اس سے دوسرا بڑا نقصان جو ہوتا ہے، وہ اسلام کے نام پر قیل وقال کے غازی افراد کی تیاری کا کام ہوتا ہے، جنہیں سیرت وکردار میں پاکیزگی (یعنی تعمیر سیرت) کے کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، اس سے تیسرا نقصان جو ہوتا ہے، وہ اسلام میں جدیدیت کی آمیزش ہے، ہر نئی چیز کو اسلام کا حصہ قرار دینا، سیاسی اسلام ہی کو سب کچھ سمجھنا یا سیاسی اسلام کی مکمل نفی



کر کے، ذاتی اصلاح کے کام ہی کو سارا اسلام سمجھنا، یا عورت ومرد کے درمیان مساوات کے کام کو اسلامی تعلیمات کا حصہ سمجھنا وغیرہ وغیرہ، یہ نتیجہ ہے سلف صالحین کی پیش کردہ اسلامی فکر اور اسلامی تعلیمات پر عدم اعتماد کا، جہاں تک قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح کا تعلق ہے تو اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہمیں ہی اس سے واسطہ نہیں پڑا ہے، بلکہ قرآن وسنت کا مفہوم، اس کی روح، اس کا نصب العین اور اس کے فرائض وواجبات کا نظام صدیوں سے امت میں پورے تواتر کے ساتھ سلف سے خلف میں منتقل ہوتا آیا ہے، اس لئے سلف کے منتقل شدہ علوم سے بھرپور استفادہ کئے بغیر قرآن وسنت کی روح اور اس کے مقاصد کو سمجھنا دشوار ہی نہیں، دشوار تر ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں جدید دور کی علمی وفکری شخصیتوں پر اعتماد کرنے کی بجائے سلف صالحین کی اسلامی تشریح پر اعتماد کرنا ہوگا، اسی سے اسلام کا تسلسل قائم رہ سکتا ہے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ جدید دور کے علمی، فکری اور نظریاتی نوعیت کے چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیں اسلام کو جدید علمی وذہنی سطح کے مطابق پیش کرنا ہوگا، لیکن یہ کام بھی اس وقت ہی بہتر طور پر ہو سکتا ہے، جب جدید علمی شخصیتیں سلف صالحین کی اسلامی فکر سے ذہنی ہم آہنگی پیدا کریں گی۔

# غریبوں کی مالی معاونت کا کام

## اور اسلام میں اس کی اہمیت

ہمارے معاشرے میں غریب لوگ جو کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، ان کے لئے کم از کم روٹی کا انتظام کرنا یہ حکومت، سرمایہ داروں اور مالداروں کا ایسا دینی فریضہ ہے جس سے وہ کسی طور سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

ہمارا مطالبہ غریبوں کو اپنی دولت میں حصہ بنانے کا نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا ہے کہ وہ ایسا پروگرام مرتب کریں، جس سے ہر محلہ کی سطح پر محتاجوں اور مسکینوں کو آٹا اور دال مہیا ہو سکے، تاکہ وہ آسانی سے پیٹ کی آگ بجھا سکیں۔

قوم کے سرمایہ داروں اور مالداروں کے لئے یہ بات ہرگز زیبا نہیں ہے کہ قدرت کی طرف سے دیئے گئے بے پناہ مالی وسائل کی موجودگی میں معاشرے میں لاکھوں کروڑوں افراد نان شبینہ کے محتاج ہوں۔

انسانیت کا درد ایسی چیز ہے، جو کاغذی نوٹوں اور سکوں سے ہزار گنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے، جب مغربی ملک اپنے ہاں سرمایہ داروں اور مالداروں کی ٹیکس سے فلاحی ریاست کا نظام قائم کر سکتے ہیں، اس طرح غریبوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کر سکتے ہیں تو اسلام کی نام لیوا ریاست اور اس کے مالدار ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔

قرآن میں چوتھے پارے کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے ''تم نیکی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیز (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو۔

دولت جو عام طور پر دولتمندوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتی ہے، اس آیت میں نیکی کا معیار اس دولت کی قربانی ہی کو قرار دیا گیا ہے۔



سورۃ المدثر کی پانچ آیتوں میں جنتیوں اور دوزخیوں کا مکالمہ بیان کیا گیا ہے کہ جنتی جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے ہو وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

اس سلسلے میں قرآن نے متعدد مقامات پر غریبوں کو کھانا نہ کھلانے، ان کی مالی معاونت نہ کرنے پر سخت انتباہات دیئے ہیں۔

احادیث میں بھی غریبوں کو کھانا کھلانے کا اہتمام کرنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، اس سلسلے میں یہاں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اور پانی پلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے سات خندقیں دور فرما دیتے ہیں۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانا مغفرت کو واجب کرنے والے اعمال میں سے ہے۔

مزید فرمایا مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بُری موت سے بچاتا ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا، بندہ کے دل میں کبھی بخل اور ایمان (ایک ساتھ) جمع نہیں ہو سکتے۔

ارشاد فرمایا: رحمان کی عبادت کرتے رہو، کھانا کھلاتے رہو اور سلام پھیلاتے رہو (ان اعمال کی وجہ سے) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے کسی امتی کی حاجت پوری کرتا ہے، وہ مجھے خوش کرتا ہے اور جس نے مجھے خوش کیا، اس نے اللہ کو راضی کیا، اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔

# مادی طرز زندگی کے پیدا کردہ مسائل

## طاقتور روحانی تحریک کی ضرورت

مادی طرز زندگی نے مغرب کے بعد اب ہمارے ہاں بھی جو مسائل پیدا کئے ہیں، وہ ایسے ہیں جو انتہائی تشویشناک ہیں، ان مسائل کو اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اللہ کی ذات پر یقین واعتماد کے ٹوٹ جانے، اللہ سے لَو لگانے، اللہ سے محبت کرنے اور اس سے مانگتے رہنے کی نفسیات کے بند کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے زندگی کے دوراہے پر کھڑا ہونا، بلکہ مادیت کی دلدل میں پھنس جانا۔

(۲) دل اور روح کی نوعیت اور ان کی ضروریات کے سمجھنے سے انکار کی روش کا ہونا

(۳) آخرت کی زندگی سے بے نیازی کا ہونا۔

(۴) مادی زندگی اور اس کی سرگرمیوں کو زندگی کا ہدف اور اس کا مرکز و محور سمجھنا۔

(۵) بے لاگ جنسی جذبات کے میلانات کا عام ہونا، بالخصوص مخلوط تعلیمی اداروں میں لڑکے اور لڑکیوں کے درمیاں فاصلوں کا نہ ہونا۔

(۶) دین ومذہب کو مراسم کی حد تک محدود سمجھنا۔

زندگی کے مسائل و معاملات میں سیکولر طرز فکر کا عام ہونا۔

(۷) خواہشات کو معبود کی صورت دینا اور ہر خواہش کو ضرورت قرار دے کر، اس میں توانائیاں صرف کرنا۔

(۸) خوداعتمادی کے بحران کا عام ہونا، لاشعور کا منفی واقعات اور تاریک یادوں سے بھر جانا، اس کے نتیجہ میں شعور کا بے قابو ہونا، ذہنی دباؤ کا بڑھ جانا اور زندگی سے مایوسی کے خیالات کا غالب آنا۔



(۹) بڑوں کے تجربات ومشاہدات سے استفادہ حاصل کرنے کی صلاحیت سے محروم ہونا۔

(۱۰) اپنے سرپرستوں اور بزرگوں کے ادب وآداب کے سلیقہ سے ناآشنا ہونا اور ان سے بدظنی کے مرض میں مبتلا ہونا، اس طرح ان کے فیوض وبرکات اور ان کی دعاؤں سے محروم ہونا۔

(۱۱) ہر معاملہ کے مثبت پہلو کے بجائے منفی اور تاریک پہلو کا سامنے آنا اور اس کا غالب آکر شعور کو زیر وزبر کرتے رہنا۔

(۱۲) نیک اور صالح لوگوں کی صحبت سے نہ صرف طبعی مناسبت کا نہ ہونا، بلکہ ان سے راہ فرار اختیار کرنا۔

(۱۳) اپنی بھلائی، بہتری اور مادیت کے بحران سے نکلنے کی باتوں کو اہمیت نہ دینا اور انہیں سنجیدگی سے نہ لینا، بلکہ اس طرح کی نصیحتوں کو سننے سے بیزاری کی روش کا ہونا۔

(۱۴) اپنے تہذیبی ورثے اور اپنی مثالی تاریخ سے ناآشنائے محض ہونا، جب کہ مغربی تہذیب پر فریفتہ ہونا۔

یہ ساری اخلاقی، نفسیاتی اور فکری مسائل اللہ کے محبت سے محرومی کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوئے ہیں، اللہ کی محبت انسانی فطرت کا طاقتور تقاضا ہے، جب فطرت میں موجود نصب العینی تقاضے سے محرومی ہوتی ہے تو انسانی شخصیت جتنے بھی بحرانوں سے دوچار ہو، کم ہے۔

ضرورت ہے کہ معاشرہ میں روحانیت کی بنیاد پر طاقتور تحریک شروع ہو، جو افراد کو مادیت کے مسموم اثرات سے نجات دلانے کا ذریعہ ثابت ہو۔

# انسان کی انسانیت کا

## نفس کی پاکیزگی سے وابستہ ہونا

نفس کی اصلاح اور پاکیزگی کا کام دین کے مقاصد میں شامل ہے، **قد افلح من تزکیٰ** (کامیاب ہے وہ جس نے اپنا تزکیہ کیا) یعنی نفس کو پاکیزہ بنایا، نفس کی پاکیزگی سے دین کے بہت سارے کام وابستہ ہیں، نفس کی پاکیزگی سے انسانیت کی ساری انسانیت وابستہ ہے، اس لئے کہ نفس کی عدم پاکیزگی اور عدم اصلاح سے دنیا کی محبت سے بچنا دشوار ہے، تکبر سے بچنا مشکل ہے، حسد اور جلن سے بچنا ممکن نہیں، دوسروں کی تحقیر سے بچنا دشوار تر ہے۔

دنیا میں سارا فساد دراصل نفس کی ناپاکیزگی کی حالت کے غلبہ کی وجہ سے ہی ہے، دنیا میں موجود سارا تصادم اور ساری جنگ اور ساری سازشیں ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے، دولت اور مفادات کی وجہ سے ہی ہے، جس سے واضح ہوا کہ جب نفس غیر اصلاح یافتہ ہوتا ہے اور ناپاکیزہ ہوتا ہے تو اس طرح کے نفس سے ہی دنیا میں فتنہ، فساد اور تصادم برپا ہوتا ہے۔

جب نفس پاکیزہ ہونے لگتا ہے تو ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے اور مفادات کی جنگ کی حالت باقی نہیں رہتی، نفس کی پاکیزگی کی وجہ سے دولت کے حصول کے لئے حریصانہ ادائیں ختم ہو جاتی ہیں، نفس کی پاکیزگی فرد و افراد کے درمیاں محبت کے جذبات کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتی ہے۔

نفس کی پاکیزگی انسانوں کے درمیاں ٹکراؤ کی فضا ختم کرکے، باہم الفت کی فضا کو پرواں چڑھانے کا موجب بنتی ہے، نفس کی پاکیزگی ہر طرح کے تعصب کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے، اس سے زندگی کے ہر شعبہ سے وابستہ افراد میں خیر سگالی کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔



نفس کی پاکیزگی اہل علم سے علمی برتری کے جذبات کو پاک کرکے ان کو مہذب بناتی ہے۔

تزکیہ نفس کے کام کی اس اہمیت کی وجہ سے اسلام نے اسے فیصلہ کن اہمیت دی ہے، لیکن بدقسمتی سے موجودہ دور میں مادیت کی ہمہ گیر تحریک کی وجہ سے یہی وہ کام ہے، جس کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، اس کا نتیجہ انسانیت بھگت رہی ہے کہ ہمارے سارے شعبے فساد کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

عام طور پر ہر نفس کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی الوہیت سے کم پر راضی نہیں ہوتا، جن کو اقتدار، وسائل اور اختیارات حاصل ہیں، وہ اس کا مظاہرہ کرتے ہیں، جنہیں وسائل حاصل نہیں، وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ انہیں وسائل حاصل ہوں تو وہ اپنی الوہیت کا ڈنکا بجائیں۔

انسانی نفس کی ساخت میں اپنی الوہیت کا جو تقاضا رکھا گیا ہے، وہ دراصل آزمائش کی خاطر ہے وہ آزمائش یہ ہے کہ فرد نفس امارہ کو پامال کرکے، اس کو پاکیزگی کے مقام پر فائز کرکے، اللہ کی زمین پر مہذب اور اللہ کے عاجز انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔

یہ بہت بڑا امتحان ہے، بدقسمتی سے اس دور میں سرے سے اس امتحان کا فہم ہی سلب ہو گیا ہے۔

نفس کو مہذب بنانے اور اس کا تزکیہ کرنے کا کام دنیا میں سب سے زیادہ مشکل ترین کام ہے، یہ کام کتابی علم، تقاریر اور گفتگو سے نہیں ہوتا، اس کے لئے طاقتور روحانی شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم نفس کی پاکیزگی کے کام کی اہمیت دیں اور انسانوں میں انسانیت پیدا کرنے کے سلسلے میں اس کام کو فیصلہ کن حیثیت دیں، اسی کام سے ہم معاشرہ، ریاست اور انسانیت کو ہمہ گیر فساد سے بچا سکتے ہیں۔

# اپنی ذات کو خوبیوں کا ذریعہ سمجھنے کے نقصانات

معاشرے میں ایک عام بیماری جو پیدا ہوئی ہے، وہ اپنے بارے میں خوش گمانی اور دوسروں کے بارے میں بدگمانی ہے۔

اس بیماری کی تہہ میں عام طور پر جو جذبہ کارفرما ہوتا ہے، وہ اپنے افضل اور بہتر ہونے کا جذبہ ہوتا ہے، جو تکبر کی ایک شاخ ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ فرد اپنے نفس کے بارے میں زیادہ متفکر ہو اور اس سے بدگمان ہو، جب کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو۔

اس طرح کا مزاج اور اس طرح کی نفسیات اس لئے ضروری ہے کہ معلوم نہیں اللہ کو دوسروں کی معمولی ادا پسند آجائے اور وہ بخشے جائیں اور فرد کی کوئی ادا ناپسند ہو اور وہ پکڑا جائے اور عتاب کا شکار ہو۔

اس مزاج اور نفسیات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے شخصیت میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، اور اللہ کی شان عظمت کے زیر اثر اپنے کچھ بھی نہ ہونے بلکہ اپنے سیاہ تر ہونے کا احساس غالب ہوتا ہے، اس کا دوسرا بڑا فائدہ جو ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ فرد دوسروں کی گلا غیبت اور ان کی تحقیر سے بچ جاتا ہے، اس کا تیسرا جو فائدہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ افراد معاشرہ کے درمیاں ٹوٹ پھوٹ پیدا نہیں ہوتی، اللہ کو بندہ کی یہ ادا اتنی پسند ہے کہ وہ نوازا جاتا ہے، اور اس کی شخصیت معاشرہ میں خیر و بھلائی کا ذریعہ بن جاتی ہے، لیکن دوسروں کی فکر چھوڑ کر، اپنے بارے میں متفکر ہونا اور اپنی ذات اور اپنے نفس سے بدگمان ہونا، سب سے زیادہ دشوار گزار کام ہے، نفس کی سب سے بڑی کمزوری (جو دوسری بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے) وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں پر عقابی نظر رکھتا ہے اور اپنے آپ کو نہ صرف یہ کہ بھول جاتا ہے، بلکہ



اپنی ذات کو خوبیوں اور بھلائیوں کا ذریعہ سمجھتا ہے، یہ نفسیات ایسی ہے جو فرد کی ذاتی اصلاح اور تزکیہ کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔

نگاہ کی یہ خاصیت ہے کہ جب وہ اوپر کی طرف جاتی ہے تو وہ نیچے نہیں جاسکتی، یعنی جب دوسروں کی فکرمندی غالب ہوتی ہے تو اس کے لازمی نتیجہ طور پر خود فراموشی ہوجاتی ہے، جب تک فرد اپنی ذات کی افضلیت سے دستبردار نہیں ہوتا اور دوسروں کو اپنے آپ سے بہتر نہیں سمجھتا، اس وقت تک فرد کا تزکیہ نہیں ہوتا اور وہ حالت خطرہ میں رہتا ہے، خطرہ کی اس حالت سے نکلنے کے لئے نفس سے شدید معرکہ آرائی کی ضرورت لاحق ہے۔

اس نکتہ کی مزید تشریح کی جائے تو کہا جائے گا کہ انسانی شخصیت کے تجزیہ و تحلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کی برتری اور جذبہ خود نمائی سے بھرا رہتا ہے، چونکہ جذبہ خود نمائی کی تسکین معاصر شخصیتوں کی تنقیص و تردید و تحقیر سے ہی ہوتی ہے۔ اس لئے فرد دوسروں کی خامیوں اور خرابیوں کے اظہار کے ذریعہ اپنے جذبہ خود نمائی کی تسکین کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

دوسروں پر بے جا تنقید اور ان کی تنقیص میں دراصل باطن میں پوشیدہ جذبہ نمود نمائی ہی کارفرما ہوتا ہے، جو اس طرح سے ظاہر ہوتا ہے، خوش نصیب ہیں وہ افراد جو اپنی برتری کی احساس سے محفوظ ہو کر، دوسروں کے بے جا محاسبہ اور ان کی کردہ یا ناکردہ خرابیوں کے تذکرے اور اس کی آلائشوں سے بچتے ہیں، اس طرح وہ افراد میں ٹوٹ پھوٹ پیدا کرنے سے بھی بچتے ہیں تو اپنی نفسیات کو منفی اثرات سے بھی بچا لیتے ہیں۔

بعض ذہین افراد کی ایک کمزوری یہ ہوتی ہے کہ وہ معاشرے اور افراد معاشرہ کا اکثر رونا روتے رہتے ہیں اور معاشرہ کی بڑھتی ہوئی خرابیاں ان کا زیادہ موضوع بحث ہوتی ہے، یہ

اگرچہ بظاہر دردمندی اور فکر مندی کا اظہار ہوتا ہے، لیکن درحقیقت یہ بہت زیادہ حساسیت کا نتیجہ ہوتا ہے، جس کی تہہ میں خود احتسابی کی کمی کا احساس کارفرما ہوتا ہے، خود احتسابی سے کام لینے والے فرد کی نفسیات تو یہ ہوتی ہے کہ اسے اپنی باطنی بیماریوں کی اصلاح کی فکر سے فرصت ہی نہیں ہوتی، اس کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ بمشکل ایک باطنی بیماری کی اصلاح کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوتا ہے تو دوسری بیماری سامنے آکر اس پر حملہ آور ہوتی ہے، اس طرح اسے اپنی باطنی بیماریاں دوسروں کے بے جا احتساب اور ان پر تنقید کی طرف آنے ہی نہیں دیتی۔



# غصہ کے مضر اثرات

## اور بچاؤ کی تدابیر

غصہ اور اس کی نفسیات ایسی چیز ہے، جو بہت ساری صفات اور خوبیوں پر پانی پھیر دیتا ہے، ایک شخص سماجی خدمت کے ادارہ کو چلانے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہے لیکن مزاج کی سختی اور غصہ کی وجہ سے بڑے بڑے ادارے تباہی کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ غصہ سے کام کرنے والے افراد کی دلیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ غصہ شیطانی اکساہٹ کا نتیجہ بھی ہے تو ساتھ ساتھ نفس کی کارستانی بھی۔

فرد میں غصہ کی صفت اس لئے رکھی گئی ہے، تاکہ جان ومال، عزت وآبرو کو پہنچنے کے والے نقصان سے بچنے کے لئے غصہ سے کام لے سکے۔ غصہ کی ایک نوعیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں درون خانہ محبت کے اجزاء شامل ہوتے ہیں، اس طرح کے غصہ سے کام بگڑتے نہیں، بلکہ بنتے ہیں، اس طرح کا غصہ دلوں کو توڑنے کا ذریعہ نہیں بنتا، اس لئے کہ اس طرح کے غصہ میں محبت کی خوشبو شامل ہونے کی وجہ سے وہ غصہ کرنے والے افراد کی عزت نفس کو مجروح کرنے کا ذریعہ نہیں بنتا۔

غصہ کی نفسیات ایسی چیز ہے جو خاندانوں کو بکھیر دیتی ہے، دوستوں میں جدائی کا باعث بنتی ہے، بنے بنائے اداروں کو تباہ کر دیتی ہے، دیکھا گیا ہے کہ اچھے خاصے نیک افراد غصہ کے وقت اپنے آپ کو آپے میں رکھنے میں ناکام ثابت ہوتے ہیں، وہ ہر بار عہد کرتے ہیں کہ مزاج کے خلاف ہونے والے واقعات کے وقت وہ غصہ سے بے قابو نہیں ہوں گے، لیکن ہر بار وہ غصہ کے وقت اس عہد کو توڑ دیتے ہیں۔

شیطان کی کارستانی تو یہ ہے کہ وہ دل میں غصہ کی چنگاری ڈال دیتا ہے، نفس کی کارستانی یہ ہے کہ شیطان کی وقتی چنگاری کو وہ غصہ کی آگ کی صورت دیتا ہے۔

غصہ جہاں بھی ہوگا، وہاں دلوں میں جوڑ پیدا ہونے کی بجائے توڑ پیدا ہوگا، اور آپس میں محبت کے جذبات مجروح ہو جائیں گے۔

غصہ سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کے دھیان غالب ہو دوسرے الفاظ میں غصہ کے وقت اور غصہ سے پہلے متوجہ الی اللہ ہونے کی مشقیں کی جائیں، مثلاً دفتر جانے یا اجلاس میں جانے سے پہلے یا اختلاف رائے رکھنے والے عزیز واقارب اور دوست احباب سے ملاقات سے پہلے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی مشق کی جائے، اس سے قلب میں اللہ کے انوار داخل ہوں گے جو غصہ کو روکنے اور شخصیت کو حد اعتدال میں قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کریں گے۔

غصہ اگر حد اعتدال میں ہو اور اس میں ماتحتوں کی تذلیل کا پہلو شامل نہ ہو تو ایسا غصہ زیادہ نقصاندہ نہیں ہوتا۔ لیکن بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ اکثر ایسا نہیں ہوتا۔

غصہ کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے شخصیت کی ساری خوبیوں اور صفات کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ ایسے افراد اپنے گرد باصلاحیت افراد جمع کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

غصہ کا جواز اور حق تین طبقات کو حاصل ہے، (۱) ماں باپ کو اپنی اولاد پر (۲) استاد کو شاگردوں پر (۳) کسی بھی شعبہ یا ادارہ کے ذمہ دار کو اپنے ماتحتوں پر۔ اس کے علاوہ غصہ کی نفسیات کا جہاں بھی مظاہرہ ہوگا، وہاں انتشار، خلفشار اور فساد پیدا ہوگا۔



غصہ کی نفسیات میں جو اسباب کارفرما ہیں، ان میں تین اسباب اہم ہیں، (۱) دل اور روح کو عبادت ذکر وفکر کی مطلوبہ خوراک کا نہ ملنا۔ (۲) احساس برتری کا ہونا (۳) اعصابی کمزوری کا غالب ہونا۔

اگر دل عبادت اور ذکر وفکر کے انوار سے سرشار ہے تو اس صورت میں اعضائے جسم کی کمزوری کے باوجود مزاج میں ٹھہراؤ اور جذبات محبت وشفقت غالب رہتے ہیں۔

غصہ کا کبھی کبھار آنا کوئی تشویش کی بات نہیں ہے، لیکن غصہ کی نفسیات کا غالب ہونا تشویشناک ہے، اس نفسیات کی اصلاح کی کوشش کرنا ناگزیر ہے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ نرمی کی اگر کوئی شکل ہوتی تو وہ سب سے بہتر شکل ہوتی، اسی طرح اگر غصہ کی کوئی شکل ہوتی تو وہ سب سے بڑی شکل ہوتی۔

# ہمارے ریاستی اور قومی نظام کی بعض کمزوریاں

ہمارے ریاستی نظام کی بعض کمزوریاں ایسی ہیں، جس کی وجہ سے نہ تو ہمارا قومی اور ملی کردار بننے پاتا ہے اور نہ ہی قومی وحدت کی فضا پیدا ہوتی ہے، اور قومی ترقی کی صورت بھی پیدا ہونے نہیں پاتی، یہ کمزوریاں کچھ اس طرح کی ہیں، پہلی کمزوری نصب العین سے محرومی ہے، کوئی بھی قوم نصب العین کے بغیر چل نہیں سکتی، مغربی قوموں نے قومی اخلاق یا کاروباری اخلاق کو نصب العین کی حیثیت سے اختیار کیا ہے اور ساری قوم کی تربیت قومی اور کاروباری نصب العین کے تحت ہوتی ہے، اس نصب العین کو انہوں نے زندگی اور موت کی حیثیت دی ہے۔ جب کہ ہمارے ہاں پاکیزہ نصب العین تو دور کی بات ہے، قومی نصب العین کے نام سے بھی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

ہماری دوسری خرابی یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے لگ بھگ ہر دور میں سرکاری خزانے کو ذاتی ملکیت سمجھتے ہوئے اس کا بے دریغ استعمال کیا ہے، اور اس دولت کو ملک میں اپنے منظور نظر گروہ کو مستحکم کرنے کے لئے بھی استعمال کیا ہے، سرکاری خزانے کے استعمال کے معاملے میں ان کی مثال مغل بادشاہوں کی سی رہی ہے۔ جو سرکاری خزانے کو اپنا ذاتی استحقاق سمجھتے تھے۔

ہماری تیسری خرابی ملک کا نظام چلانے والے انتظامی ڈھانچہ کی ہے، جس کی بنیاد حاکم اور محکوم کے تصور پر رکھی گئی ہے، اعلیٰ افسروں سے لے کر نچلی سطح تک سرکاری ملازموں کی



حالت یہ ہے کہ عوام سے اس کا رویہ حاکمانہ نوعیت کا ہے، اس انتظامی ڈھانچہ کی دوسری خرابی یہ ہے کہ رشوت اس کے خمیر میں شامل ہوگئی ہے، کسی بھی محکمہ میں کوئی بھی کام رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔

ہماری چوتھی خرابی اہل سیاست کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی سرگرمیوں کا مرکز حکمرانوں کو گرانے پر مشتمل ہوتا ہے، بے جا تنقید اور ہر کام میں نقائص نکالنا، حکومت کے اچھے سے اچھے کام کو بھی تنقیص کی نگاہ سے دیکھنا، یہ اہل سیاست کا وظیفہ رہا ہے، جس کی وجہ سے کوئی بھی حکومت صحیح طور پر کام نہیں کر سکتی، چونکہ اہل سیاست نفسیاتی طور پر حکومت کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں، اس لئے حکومت کو گرانے کے لئے وہ اس روش پر گامزن رہتے ہیں۔

ہمارے تجارت پیشہ طبقہ کی کمزوری یہ ہے کہ وہ عوام کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر، وقت بوقت زیادہ سے زیادہ منافع خوری پر اتر آتا ہے، ضرورت کی اشیاء کی مہنگائی کی وجہ سے عام لوگ خستہ حالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ایک کمزوری جو عوام و خواص کی ہے، وہ ناشکر گذاری کی ہے، پاکستان کی بدولت لگ بھگ ہر طبقہ کے حالات میں بہتری آئی ہے، لیکن اللہ کی اس نعمت کی قدر کرنے کے لئے آمادگی نہیں ہے، اگر ہندستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی حالت سے ہم اپنی حالت کا موازنہ کریں گے تو ہماری حالت ان سے کئی گنا زیادہ بہتر نظر آئے گی۔ ہمیں شکر گذاری کا سلیقہ سیکھنا ہوگا۔

یہ اوراس طرح کی دوسری خرابیوں کابنیادی سبب یہ ہے کہ ہماراتربیتی نظام ملی تہذیب سے ہمہ آہنگ نہیں ہے اوراس میں انسانیت، سلیقہ انسانیت اور آداب انسانیت کی تربیت نہیں ہوتی، جہاں تک فنی اور انتظامی صلاحیت کا تعلق ہے، وہ تو ہو جاتی ہے، لیکن پاکیزہ اخلاق اوصاف کی تربیت کا خانہ خالی ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ اس کام کو اہمیت دی جائے، دوسری صورت میں ہم نئے نئے بحرانوں سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔



# حسن وجمال کے پاکیزہ

## نصب العین کی اہمیت اوراس کے ثمرات

انسانی شخصیت میں حسن وجمال کے پاکیزہ جذبات موجزن (موجود) رہتے ہیں، جو شخصیت کے حسن اور ٹھہراؤ کو قائم و برقرار رکھتے ہیں، اگر حسن وجمال کے ان پاکیزہ جذبات کے ارتقا کا عمل رک جائے، یا یہ جذبات دب جائیں تواس صورت میں حسن وجمال کے مادی جذبات غالب آنے لگتے ہیں۔

حسن وجمال کے پاکیزہ جذبات سے پاکیزہ نصب العین کا رخ متعین ہوتا ہے، یہ نصب العین اللہ سے والہانہ محبت ہی ہے۔اس سے سیرت وکردار میں پاکیزگی اور بلندی پیدا ہوتی ہے اور سارے پاکیزہ اوصاف شخصیت کے مزاج کا حصہ بننے لگتے ہیں، جب کہ حسن وجمال کے مادی جذبات فرد کو مادہ پرست بنادیتے ہیں اور شخصیت کے باطن میں تہلکہ برپا کردیتے ہیں،انسان کی انفرادی زندگی ہو یااجتماعی زندگی، اس میں سارا فساد دراصل حسن وجمال کے مادی جذبات کے اشتعال ہی کا نتیجہ ہے۔ حسن وجمال کے مادی جذبات فرد کو مادہ پر فریفتہ بنادیتے ہیں، یہ فریفتگی جہاں فرد وافراد کی داخلی زندگی میں تلاطم برپا کردیتی ہے، وہاں اجتماعی زندگی کو بھی زیروزبر کردیتی ہے۔

اگرچہ جدید نفسیات ذہنی تسکین کے لئے ادب، آرٹ اور مذہب کے کردار کو تسلیم کرتی ہے لیکن اس آرٹ اور مذہب کی حیثیت مادی حسن کے ضمیمہ سے زیادہ نہیں ہے۔

مادہ حسن کو نصب العین قرار دینے سے مادی تہذیب وجود میں آتی ہے، جو علوم وفنوں کے نام پر مادی جسم کو آخری حد تک آرام پہنچانے کے لئے کوشاں ہوتی ہے، اور عورت کے حسن سے محفوظ ہونے کو نصب العین کا حصہ قرار دیتی ہے، یہ مادی تہذیب روح کو تھکادیتی ہے، اس تہذیب کا لازمی نتیجہ اضطراب وبے قراری کے انگارے، زندگی سے بیزاری، ذہنی دباؤ، اور نفسیاتی بیماریاں وغیرہ ہیں۔

اس وقت دنیا میں سارے بڑے تعلیمی، تربیتی اور تہذیبی ادارے مادی حسن کے جذبات ہی کو فروغ دے رہے ہیں، مسلمانوں میں بھی عرصہ سے مادی روح کو پھونکنے اور مادی حسن کو نصب العین بنانے کی کوششیں جاری ہیں، جس کے اثرات مسلم معاشروں میں واضح طور پر ظاہر ہورہے ہیں کہ جدید تہذیب کی پیدا کردہ ساری ذہنی، نفسیاتی اور روحانی بیماریاں مسلم معاشروں کا بھی احاطہ کئے ہوئی ہیں۔

حسن وجمال کا اسلامی فلسفہ ایسا ہے، جو انسانی فطرت کا طاقتور ترین تقاضا ہے، جس میں انسانی جسم اور جسمانی نظام کے ساتھ ساتھ باطن کی گہرائیوں میں موجود سارے جذباتِ حسن کی تسکین و تشفی کا سامان موجود ہے۔

مغرب کی دوڈھائی سالہ سیاسی، اقتصادی، تعلیمی اور نظریاتی بالادستی کی وجہ سے پوری انسانیت عرصہ سے مادی تہذیب کے زیر اثر مادی حسن کی راہ پر گامزن ہے اور اس نے حسن وجمال کے پاکیزہ تقاضوں سے صرف نظر کیا ہوا ہے، کروناوائرس دراصل بالخصوص مادی تہذیب کے علمبرداروں بالعموم پوری انسانیت کے لئے قدرت کی طرف سے انتباہ ہے کہ وہ بیدار ہوکر، اپنی انفرادی واجتماعی زندگی میں حسن وجمال کے پاکیزہ نصب العین کو اختیار



کرے، ایک دوسرے پر بالادستی کی روش کو ترک کردے اور اللہ کی زمین پر سلیقہ انسانیت سے زندگی گزارنے کے آداب سیکھے۔

حسن وجمال کے اسلامی فلسفہ میں ہر وہ خوبی موجود ہے، جو انسانیت کی چاہت ہے اور جس کا انسان متلاشی ہے، (۱) خوشی مسرت وراحت کے لازوال احساسات (۲) ذہنی، قلبی اور روحانی تسکین، (۳) انسانوں کے کام آنا اور ان سے بے غرضانہ محبت کا ہونا (۴) مادی خوشحالی، اور راحت کے مادی سامان سے طبعی مناسبت کا نہ ہونا، (۵) اخلاق حسنہ کا حامل ہونا، (۶) انسانیت کی اخلاقی اور روحانی حالت زار پر کڑھتے رہنا اور اس سلسلے میں اپنے حصہ کا کردار ادا کرنا (۷) صبر وشکر اور تحمل وبردباری کا ہونا (۸) قرآن وسنت کی تعلیمات کو زندگی کا دستور العمل بنانا (۹) محبوب حقیقی کی اطاعت وعبادت میں استقامت کا ہونا (۱۰) منفی خیالات پر مثبت اور پاکیزہ خیالات کا غلبہ ہونا (۱۱) خواہشات کو ضروریات میں شامل کرنے سے احتراز کا ہونا (۱۲) قناعت، سادگی، فقر اور تھوڑے سے وسائل کے ساتھ زندگی گزارنے کے سلیقہ کا حامل ہونا۔

مادہ پرست تہذیب کے تین نقصانات بڑے واضح ہیں، جو انسانیت کو بھگتنا پڑ رہے ہیں، (۱) دولت کی ہڈیوں پر ایک دوسرے سے دست وپیکار ہونا (۲) ذہنی اور قلبی سکون کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہونا (۳) اللہ محبوب کے عتاب کا شکار ہوتے رہنا اور نئے نئے بحرانوں سے دوچار ہونا۔

یہ نکتہ سمجھنا از حد ضروری ہے کہ فطرت سے ہم آہنگ پاکیزہ نصب العین کے بغیر ساری مادی ترقی مٹی کا ڈھیر ثابت ہوگی اور انسانیت کی بقا کی راہ مسدود ہوجائے گی۔

# قلبی اور ذہنی سکون کیسے حاصل ہو؟

سکون قلبی کی نعمت عظمیٰ ایسی چیز ہے، جسے حاصل ہو جائے، اسے گویا ساری نعمتیں مل گئیں، موجودہ دور میں یہی نعمت ہے، جس سے عام طور پر محرومی ہے، سکون قلبی سے محرومی کا لازمی نتیجہ فکری انتشار، ذہنی دباؤ اور زندگی سے بیزاری ہے، ذہنی اور قلبی سکون ایسی چیز نہیں ہے، جو مارکیٹ سے خریدی جا سکے، یا جو آسانی سے حاصل ہو سکے، یہ نعمت ایسی ہے کہ اگر ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے بھی حاصل ہو جائے تو سستا سودہ ہے۔

سکون قلبی سے محرومی کے بظاہر اسباب بہت سارے ہیں، مثلاً خراب معاشی حالات یا مطلوبہ سہولتوں کا فقدان، تاریک مستقبل کے خطرات، کاروبار کے بیٹھ جانے کے وسوسے، گھریلو ناچاقیاں، دوستوں یا کاروباری ساتھیوں سے ان بنت اور تصادم وغیرہ وغیرہ۔

سکون سے محرومی کے یہ اسباب جزوی نوعیت کے ہیں، اس کا اصل اور بنیادی سبب روح کا محبوب حقیقی کے لئے غیر معمولی اضطراب ہے، روح اپنا یہ اضطراب دل، دماغ، اعصاب اور نفسیات کی طرف منتقل کرتا ہے۔

روح کے محبوب حقیقی سے تعلق استوار کرنے اور روح کو اس کی غذا دینے کی راہ میں نفسی قوتیں شدید مزاحم ہیں، چنانچہ نفسی قوتیں دل، روح، اور ذہن کا رشتہ محبوب حقیقی سے توڑ کر ان سب کو یر غمال بنا لیتی ہیں، اس طرح نفسی قوتیں ایک تو انسانی شخصیت پر حاوی ہو جاتی ہیں دوم یہ کہ وہ روح کے لطیف احساسات کو ابھرنے نہیں دیتی۔

ذہنی، قلبی اور روحانی سکون سے محرومی کا اصل سبب یہی ہے، جسے سمجھنے کی ضرورت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو افراد روح کو عبادت اور ذکر و فکر کی مطلوبہ



خوراک دیتے ہیں، وہ ہر طرح کے حالات میں پُر سکون رہتے ہیں، اور خود اعتمادی سے سرشار رہتے ہیں۔ وہ خوشی، حلاوت اور سکینت کے احساسات کے زیر اثر رہتے ہیں، اضطراب، بے قراری ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، سبب یہ ہے کہ وہ محبوب حقیقی کے انوار حسن سے فیضیابی کی وجہ سے نفسی قوتوں کو بڑی حد تک شکست دینے میں کامیاب ہیں، معاشی دشواریاں اور قومی، ملکی اور عالمی حالات کی خرابی کے باوجود ان کے قلبی اور ذہنی سکون میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ قلبی اور ذہنی سکون کی نعمت عظمیٰ سے بہرہ ور ہوں تو اس کے لیے ہمیں ذکر و فکر اور عبادت کے ذریعہ روح کو مطلوبہ غذا دے کر، نفسی قوتوں کو قابل ذکر حد تک شکست دینا ہو گی۔ اس کے بغیر قلبی سکون کی نعمت عظمیٰ حاصل نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ نے ذکر و فکر میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس سے قلبی سکون نصیب ہوتا ہے۔

**الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔**

# اللہ کی محبت کے فوائد و ثمرات

## ایک نظر میں

اللہ کی محبت و معرفت کی دنیا مشکل ضرور ہے، لیکن اس کے فوائد و ثمرات اور زندگی پر پڑنے والے اس کے مثبت اثرات اتنے زیادہ اور حلاوت آمیز ہیں کہ اگر فرد و افراد کو اس کی شدبد حاصل ہو جائے تو وہ اس محبت ٹوٹ پڑیں اور محبت سے خالی اپنی پچھلی زندگی پر حسرت کرنے لگیں۔

ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے، یہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں، جس کا اللہ ہو جائے اس کی خوش بختی کا کیا ٹھکانہ ہے۔

دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ فرد خود اعتمادی سے سرشار ہو جاتا ہے اور ہر طرح کے ذہنی دباؤ اور نفسیاتی نوعیت کے مسائل سے محفوظ ہو جاتا ہے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے انوار حسن سے اس کو کچھ اجزاء ملنے لگتے ہیں، جس سے مادی حسن سے اس کی وارفتگی کی حالت ختم ہو جاتی ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر اہم موڑ پر اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہو جاتی ہے، اس کے رزق میں، اس کے وقت میں، اس کے علم میں برکت ہو جاتی ہے، پانچواں فائدہ یہ ہے کہ فرد اخلاق حسنہ کا حامل ہو جاتا ہے اور اللہ کی مخلوق سے اسے محبت پیدا ہونے لگتی ہے۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ دنیا کے مستقبل کے حوالے سے اس کی فکرمندی باقی نہیں رہتی، اللہ کی محبت اور اللہ کا ذکر اسے یہ نکتہ سمجھاتا ہے کہ جب میرا مولا میرے ساتھ ہے تو مجھے کس چیز کی پرواہ ہے۔



ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہونے لگتی ہے، آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں منفی سوچ کے بجائے مثبت سوچ غالب ہونے لگتی ہے۔

ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دولت اور دنیا کی دہشت، اس کا رعب، خوف اور مستقبل کی فکرمندی باقی نہیں رہتی اور بندہ کی ضروریات کے لئے اللہ کافی ہوتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سارے فوائد ہیں، جو اللہ کی محبت میں داخل ہونے کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔

اللہ کی محبت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے احساس پاکیزہ ہو جاتا ہے، احساس کی ناپاکیزگی کی وجہ سے ہی وہ سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں، جس سے فرد کی شخصیت زیر و زبر ہوتی رہتی ہے۔

اللہ کی محبت کی راہ کے ان فوائد کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو محبت کی راہ میں حائل ساری دشواریاں اور مشکلات آسان ہو سکتی ہیں۔